الصلوۃ والسلام علیکَ یا نور اللہ

مسئلہ رفع یدین

تصنیف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور





شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

ناشر

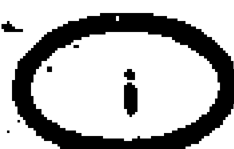
عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ)

سنٹرل کمرشل مارکیٹ C/O جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور

042-8428922-0300-4826678-0300-7991693

نام کتاب	:	مسئلہ رفع یدین
نام مصنف	:	شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری
نظر ثانی	:	مولانا محمد سلیمان قادری، سید محمد عاکف قادری
سن اشاعت اول	:	1416ھ/1995ء
سن اشاعت بار دوم	:	1428ھ/2007ء
تعداد	:	1100
ڈیزائننگ وکمپوزنگ	:	محمد حسین خاور
قیمت	:	120روپے
ناشر	:	عُمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ)
		ہیڈ آفس جامعہ رضویہ سنٹرل کمرشل مارکیٹ
		ماڈل ٹاؤن لاہور
		042-8428922

www.jamiarizviatrust.org



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ رفع یدین

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعض حضرات رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں یعنی تکبیر اولیٰ کی طرح دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے اور ہاتھ نہ اٹھانا سنت کے خلاف ہے اسلئے وہ رکوع سے پہلے اور بعد دونوں مرتبہ ہاتھ اوپر کو اٹھاتے ہیں۔ جبکہ ہم سنی لوگ ایسا نہیں کرتے تو وہ ہمیں تارکِ سنت سمجھتے ہیں۔ یہ مسئلہ کیا ہے ہاتھ اٹھانا سنت ہے یا نہ اٹھانا سنت ہے؟

عبد المجید
ہاؤس نمبر ا۔ ڈسپنسری
سنٹرل ایریا۔ ای بلاک ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

مورخہ ۱۴-۱۲-۱۹۹۱ء

نوعیت مسئلہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الجواب منه الهداية والصواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اسکے محبوب پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بجید صلوٰۃ وسلام کے بعد گزارش یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مسئلہ رفع یدین کی نوعیت یہ ہے کہ رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھاکر رفع یدین کرنا (دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھانا) ایک ایسا عمل ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک عرصہ تک کرتے رہے لیکن آپ نے بعد میں یہ عمل ترک فرما دیا اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ ہاتھوں کو نہ اٹھاؤ، نماز میں سکون اختیار کرو۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا تو اس وقت جو صحابہ کرام موجود تھے انہوں نے سُنا اور جو کہیں دور دراز تھے انہوں نے نہ سُنا اور ان تک یہ بات نہ پہنچ سکی اور وہ رفع یدین بدستور کرتے رہے اور بعض شروع میں رفع یدین کرتے تھے مگر جب انہیں اس بات کا یقین ہوگیا اور معتبر ذرائع سے معلوم ہوگیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ترک فرما دیا تھا تو آخر انہوں نے بھی رفع یدین ترک فرما دیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد صحابہ میں اختلاف ہوا بعض رفع یدین فرماتے اور بعض نہ فرماتے اور ان کے بعد تابعین وائمہ مجتہدین میں بھی اختلاف کا ہونا لازمی امر تھا لہٰذا بعض کے نزدیک رفع یدین کرنا سنت ٹھہرا اور بعض کے نزدیک نہ کرنا سنت ہوا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ فرماتے ہیں کہ صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین سُنت ہے، امام ثوری، امام ابن ابی لیلیٰ وعلقمہ بن قیس واسود بن یزید وامام عامر شعبی وامام ابواسحٰق سبیعی وخیثمہ ومغیرہ و وکیع و عاصم بن کلیب وامام زفر کا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابن قاسم امام مالک سے ایک

روایت اس طرح کی روایت کرتے ہیں اور امام مالک کے مذہب کی مشہور روایت اور ان کے تلامذہ کا یہی معمول ہے۔

صحیح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ

وبہ یقول غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفۃ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی صحابہ اور کئی ایک تابعین کرام کا یہی قول ہے اور یہی امام سفیان ثوری اور کوفہ والوں کا قول ہے۔

(صحیح ترمذی ج ۱ ص ۳۵)

سُوال: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ رکوع کے وقت رفع یدین فرماتے تھے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاذ حماد اپنے استاذ ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت وائل بن حجر اعرابی دیہات کے رہنے والے تھے انہوں نے اس سے پہلے کبھی بھی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی کیا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے ساتھیوں سے جو کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کیا پھر نہ کیا، زیادہ علم رکھتے ہیں کیا اس نے تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کو یاد رکھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے ساتھیوں نے یاد نہ رکھا۔

ایک روایت میں ہے کہ امام ابراھیم نخعی نے حضرت وائل بن حجر کی رفع یدین کرنے والی حدیث کا ذکر کیا پھر فرمایا کہ وہ اعرابی ہیں میں نہیں جانتا کہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی کیا وہ

عبداللہ بن مسعود سے زیادہ عالم ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس حضرت وائل کی حدیث کا ذکر ہوا کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین فرمایا، تو فرمایا کہ وہ اعرابی ہیں اسلام کے احکام کو (زیادہ) نہیں جانتے انہوں نے تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک بار نماز پڑھی اور مجھے بے شمار حضرات نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سنائی کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف نماز کی ابتداء میں رفع یدین فرمایا اور عبداللہ بن مسعود اسلام کے احکام و حدود کو جاننے والے ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کو ایک ایک کر کے جانتے تھے اور اقامت و سفر میں آپ کے ہمراہ رہا کرتے اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بے شمار مرتبہ نماز پڑھی۔

(مسند ابی حنیفہ مطبوعہ مصر ص۱۳)

امام اوزاعی و امام ابوحنیفہ کا مباحثہ

ایک بار امام اعظم ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے درمیان دار الحناطین مکہ مکرمہ میں رفع یدین کے بارے میں مباحثہ ہوا تو امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہے کہ تم نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے؟ تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم اس لیے رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے کہ رفع یدین کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا کہ کیسے نہیں؟ مجھ سے سنئے، مجھ سے امام زہری نے حدیث بیان کی، ان سے سالم نے

اپنے باپ عبداللہ بن عمر سے انہوں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع یدین فرماتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر مبارک

اٹھاتے۔ تو ان سے امام ابو حنیفہ نے فرمایا، مجھ سے سنیئے۔

" مجھ سے امام حماد نے ان سے ابراھیم نخعی نے ان سے علقمہ نے علقمہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سوائے پہلی تکبیر کے رفع یدین نہیں فرماتے تھے (اس میں حدیث کے یہ الفاظ نہ بھولئے) " ولا یعود لشیئ من ذلك " یعنی نماز کے شروع میں ایک بار رفع یدین فرماتے اور اس کے بعد پھر رفع یدین نہ فرماتے تو امام اوزاعی نے فرمایا کہ میں تو آپ کو زھری سے، زھری سالم سے سالم اپنے باپ عبداللہ بن عمر سے، ایسی سند عالی سے حدیث بتا رہا ہوں اور آپ مجھے حماد سے، حماد نخعی سے (یعنی اس سند سے جس میں میری سند جیسا علو نہیں ہے) حدیث سُناتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے امام اوزاعی سے فرمایا کہ میری سند کے راوی آپ کی سند کے راویوں سے کم درجہ کے نہیں ہیں۔ حماد امام زھری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراھیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ ابن عمر کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اسود کی تو بہت ہی فضیلت ہے اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہیں۔ اس پر امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

(مسند امام ابی حنیفہ صد ۱۲ و جامع المسانید ج ۱ صد ۳۵۲)

امام صاحب کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ میری سند میں علو نہیں تاہم میری سند کے تمام راوی ثقہ بھی ہیں اور فقہ کے بھی امام ہیں لہٰذا یہ سند حجت ہے۔

(شرح شرح نخبۃ الفکر لملا علی القاری ۹۵)

ثبوتِ شئ اور بقاءِ شئ: قارئین سے ایک ضروری گزارش

قارئین سے ایک ضروری گذارش یہ ہے آپ کو یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ثبوتِ شئ اور بقاءِ شئ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ثبوتِ شئ کا مطلب ہے کسی چیز کا ثابت ہونا اور بقاءِ شئ کا مطلب ہے اس شئ کا آئندہ کے لئے باقی اور دائمی رہنا۔ ہم اسے ایک مثال سے مزید واضح کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کی موجودگی میں بکر نامی شخص نے زید نامی شخص سے کچھ قرض حاصل کیا۔ کچھ مدت کے بعد زید نے بکر کے خلاف دعوی کر دیا کہ میرا قرض اس کے ذمہ باقی ہے وہ مجھے دلوایا جائے۔ اور زید نے آپ کو گواہی کے لئے عدالت میں بلوالیا کہ یہ میرے اس بات کے گواہ ہیں کہ بکر کے ذمہ میرا قرض ہے۔ تو آپ یہ گواہی دیں گے کہ میں ثبوت قرضہ کا گواہ تو ہوں لیکن بقاءِ قرضہ کا گواہ نہیں ہوں یعنی واقعی بکر نے میرے سامنے زید سے قرض لیا تھا مگر مجھے اس بات کا علم نہیں کہ وہ قرض ابھی تک بکر کے ذمہ باقی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں بکر نے قرض واپس کر دیا ہو۔ اب دونوں باتوں کا امکان و احتمال پیدا ہو گیا کہ ہو سکتا ہے قرض اس کے ذمہ باقی ہو جیسا کہ مدعی کہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بکر کے ذمہ قرض باقی نہ ہو یعنی اس نے واپس کر دیا جبکہ وہ کہتا بھی ہے کہ اس نے قرض واپس کر دیا ہے۔ اور اگر بکر نے اس بات کے گواہ پیش کر دیئے کہ اس نے زید کو قرض واپس کر دیا ہے تو اسے سچا مانا جائیگا اس صورت

میں دونوں (زید و بکر) کے گواہوں میں کوئی تضاد و تناقض بھی نہیں ہے کیونکہ زید کے گواہ کہتے ہیں کہ زید نے قرض دیا تھا اسے بکر بھی تسلیم کرتا ہے کہ واقعی اس نے قرض لیا تھا اب بکر کے گواہ کہتے ہیں کہ اس نے ہمارے سامنے زید کو قرض واپس کر دیا تھا اب اسکے ذمہ قرض باقی نہیں رہا۔

اسی طرح سمجھئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رکوع کے وقت رفع یدین فرماتے تھے اور یہ بات ہمیں بھی تسلیم ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع یدین کرتے تھے لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا رفع یدین بعد میں باقی بھی رہا یا نہ رہا ہمارا دعویٰ ہے کہ باقی نہ رہا بلکہ آپ نے ترک فرما دیا تھا اور صحابہ کرام کو بھی ترک کرنے کا حکم دیا جس کا ثبوت ہم کچھ تو پیش کر چکے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی معقول و معتبر اور نہایت ہی صحیح سند سے گزرا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے شروع میں ایک بار رفع یدین فرماتے تھے پھر نہ فرماتے۔ اور یہ کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے تھے پھر نہ کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل یعنی رفع یدین نہ کرنے پر امام علاء الدین بن ترکمانی متوفی ۷۴۵ھ الجوہر النقی میں فرماتے ہیں:

" لا یظن به انه یخالف فعله علیه السلام الا بعد ثبوت نسخه عنده "

(الجوہر النقی ج ۲ ص ۷۹)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل (رفع یدین) کی مخالفت

کریں مگر اسکے بعد کہ ان کے نزدیک اسکے منسوخ ہونیکا ثبوت ہو۔

اور یہ کہ انہوں نے متعدد حضرات کے سامنے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی طرح نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں تو آپ نے پڑھکر دکھائی اور اسمیں ایک ہی بار شروع نماز میں رفع یدین کیا پھر نہ کیا۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے تھے پھر نہ کرتے اور یہ کہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ صرف سات مقامات ہیں جہاں رفع یدین کرنا چاہیئے: ان سات مقامات میں سے انہوں نے نماز کے شروع میں رفع یدین کا ذکر فرمایا اور رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر نہ فرمایا۔

اور یہ کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ صرف بشروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے اور یہ کہ حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق کے ساتھ نمازیں پڑھیں آپ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہ کرتے۔ اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھیں تو وہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہ کرتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے چار خلفاء راشدین میں سے تین یعنی حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہم تین کا رفع یدین ترک کرنا ثابت ہو گیا معلوم ہوا کہ یہی سنت ہے کہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کیا جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین"
کہ جب تم امت میں اختلاف دیکھو تو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سُنت کو لازماً اختیار کرو۔ اور ان کی سُنت رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنا ہے لہٰذا امت کو چاہیئے کہ اسی کو اختیار کرے۔

امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی مصنف میں اپنی مختلف سندوں کے ساتھ درج ذیل احادیث و آثار لاتے ہیں اور انہوں نے ان کا عنوان یوں مقرر کیا ہے۔

"من کان یرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثم لا یعود"
"وہ حضرات جو پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے"

(۱) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ ثم لا یرفعھما حتی یفرغ۔
(المصنف ج ۱ ص ۲۳۶)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے پھر انہیں نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔

(۲) حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ

الا اریکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرفع یدیہ الا مرۃ۔
(المصنف ج ۱ ص ۲۳۶)

کیا میں تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں تو انہوں نے صرف ایکبار ہاتھ اوپر اٹھائے۔

اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث گذر چکی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعود لشئ من ذلک۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ مبارک اوپر نہیں اٹھاتے تھے مگر نماز کے شروع میں اور دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔

(مسند امام ابی حنیفہ طبع مصر ص۱۴)

(۳) حضرت عاصم بن کلیب اپنے باپ کلیب سے روایت کرتے ہیں کہ

ان علیا کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود۔

بے شک حضرت علی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے جب نماز شروع فرماتے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(۴) امام ابراہیم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

انہ کان یرفع یدیہ فی اول ما یستفتح ثم لا یرفعھما۔

آپ نماز کے شروع میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر انہیں نہیں اٹھاتے تھے۔

(")

(۵) امام اشعث حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ

انہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یرفعھما۔

آپ پہلی تکبیر میں دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(ایضاً)

(۶) حضرت حصین و مغیرہ رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعی فرماتے تھے کہ

اذا کبرت فی فاتحۃ الصلوٰۃ فارفع یدیك ثم لا ترفعھما فیما بقی۔ — جب تم نماز کے شروع میں تکبیر کہو تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاؤ پھر باقی نماز میں نہیں اوپر نہ اٹھاؤ۔

(ایضاً)

(۷) امام ابو اسحاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کان اصحاب عبد اللہ واصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ، قال وکیع ثم لا یعودون۔ — حضرت عبد اللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردان کرام اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے مگر نماز کے شروع میں۔ امام وکیع نے فرمایا کہ پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(۸) حضرت حصین اور حضرت مغیرہ امام ابراھیم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ

لا ترفع یدیك فی شیٔ من الصلوٰۃ الا فی الافتتاحۃ الاولیٰ۔ — تم نماز میں اپنے ہاتھ کہیں نہ اٹھاؤ مگر پہلی تکبیر میں۔

(ایضاً)

اسکے ساتھ کی روایت پہلے بھی گزری ہے مگر پہلی روایت کی سند میں امام ابن شیبہ کے شیخ ہشیم ہیں اور اسمیں ابوبکر بن عیاش ہیں۔ لہٰذا یہ روایت سند کے لحاظ سے پہلی سے مختلف ہے۔

(۹) حضرت امام طلحہ حضرت امام خیثمہ وامام ابراھیم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

کانا لا یرفعان ایدیھما — وہ دونوں امام صرف نماز کے

الا فی بدء الصلوٰۃ۔ — شروع میں رفع یدین کرتے تھے۔

(ایضاً)

(۱۰) امام اسمٰعیل حضرت ام قیس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

کان قیس یرفع یدیہ اوّل مایدخل فی الصلوٰۃ ثم لا یرفعھما۔	حضرت ام قیس نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر انہیں نہیں اٹھاتے تھے۔

(ایضاً)

(۱۱) حضرت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ

لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن اذا قام الی الصلوٰۃ واذا رأی البیت وعلی الصفا والمروۃ وفی عرفات وفی جمع وعند الجمار۔	ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات مقامات میں جب نماز کی طرف کھڑا ہو اور جب بیت اللہ کو دیکھے اور صفا پر اور مروہ اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور شیطان کو کنکریاں مارتے وقت۔

(ایضاً ص۲۳۶، ص۲۳۷)

اسمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف اسوقت ہاتھ اٹھانے کو سنّت قرار دیا جب نماز کی طرف کھڑے ہوں یعنی تکبیر اولیٰ میں۔ رکوع میں ہاتھ اٹھانے کو آپ نے سنّت نہیں قرار دیا ورنہ اسمیں بھی ہاتھ اٹھانے کا ذکر فرماتے، معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا سنت نہیں ہے۔

(۱۲) امام ابن ابی شیبہ امام ابوبکر بن عیاش سے وہ حصین سے اور وہ امام

حضرت مجاھد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ

ما رأیت ابن عمر یرفع یدیہ الا فی اول ما یفتتح۔ (ایضاً)

میں نے نہ دیکھا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ وہ ہاتھ اٹھاتے ہوں مگر نماز کی ابتدا میں۔

(۱۳) جابر اسود اور علقمہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

انھما کانا یرفعان ایدیھما اذا افتتحا ثم لا یعودان۔ (ایضاً)

وہ دونوں جب نماز شروع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے تھے اسکے بعد ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(۱۴) حضرت اسود فرماتے ہیں کہ

صلیت مع عمر فلم یرفع یدیہ فی شیئ من صلوتہ الا حین افتتح الصلوٰۃ۔ (ایضاً)

میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنی نماز میں ہاتھ نہ اٹھائے مگر جب آپ نے نماز شروع کی۔

(۱۵) امام عبد الملک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

رأیت الشعبی و ابراھیم و ابا اسحٰق لا یرفعون ایدیھم الا حین یفتتحون الصلوٰۃ۔ (ایضاً)

میں نے امام شعبی و امام ابراہیم و امام ابواسحٰق تینوں کو دیکھا کہ وہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مگر جب نماز شروع فرماتے۔

یعنی ایک بار شروع میں ہی ہاتھ اٹھاتے پھر نہ اٹھاتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ نے یہ پندرہ احادیث و آثار اپنی سندوں کے ساتھ روایت کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اور آپ کے صحابہ میں سے حضرت براء بن عازب و ابن مسعود و عمر فاروق و علی مرتضیٰ و ابن عمر و ابن عباس اور ان سب کے علاوہ تابعین و اتباع تابعین صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدین سنت نہیں ہے۔ اور یہ سب سندیں جید ہیں (الجوہر النقی ج ۲ ص ۷۹)

(۱۶) شیخ الاسلام امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن مثنیٰ موصلی علیہ الرحمۃ متوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ

صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا ایدیہم الا عند افتتاح الصلوٰۃ وقد قال محمد فلم یرفعوا ایدیہم بعد التکبیرۃ الاولیٰ۔

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھیں تو وہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مگر نماز کے شروع کرتے وقت اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ وہ پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(مسند امام ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۳۶)

اس حدیث میں واضح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدین کرنا سنت نہیں بلکہ نہ کرنا ہی سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہے۔

(۱۷) یہی امام اپنی دوسری سند سے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا کہ

الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فصلی فلم یرفع یدہ الا مرۃ۔

کیا میں تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح نماز پڑھکر نہ دکھاؤں؟ تو آپ نے نماز پڑھی تو آپ نے ایک ہی بار ہاتھ اٹھایا۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۵ صـ۳۶ / ۲۷)

یہ حدیث پہلے بھی مصنف امام ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے گزری ہے گر دونوں کی سندیں اور کچھ الفاظ مختلف ہیں لیکن دونوں میں قدر مشترک یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرکے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنا ہی سنت ہے۔

(۱۸) امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا ایدیھم الا عند التکبیرۃ الاولی فی افتتاح الصلوٰۃ۔

میں نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھیں تو وہ رفع یدین نہ کرتے تھے مگر نماز کے شروع میں پہلی تکبیر کے وقت۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ صـ۲۹۵)

(۱۹) نیز امام دارقطنی بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب والی حدیث لائے ہیں کہ

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین قام

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز کو کھڑے ہوتے

الى الصلوٰة فكبر ورفع يديه حتى ساوى بهما اذنيه ثم لم يعد۔	پھر تکبیر کہی اور دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا، پھر نہ اٹھایا۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۹۴)

(۲۰) امام ابو یعلیٰ اپنی سند سے علقمہ والی حدیث روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

الا اصلى بكم صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال فصلى بهم فلم يرفع يده الا مرة۔	کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں تو آپ نے حاضرین کو نماز پڑھ کر دکھائی تو ایک ہی بار رفع یدین کیا۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۳۵)

(۲۱) امام ابو یعلیٰ ایک دوسری سند سے بھی اسی حدیث کو آگے چل کر روایت کرتے ہیں اس میں "یدہ" کی بجائے "یدیہ" بہ صیغہ تثنیہ ہے۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۳۸)

امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی متوفی ۵۸۷ھ علیہ الرحمۃ جنہیں "ملک العلماء" کا لقب دیا گیا یعنی علماء کا بادشاہ اپنی کتاب "بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" میں فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

ان العشرة الذين شهد لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالجنة ما كانوا يرفعون ايديهم الا لافتتاح الصلوٰة	بلاشبہ وہ دس صحابہ جن کے جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی نماز کے شروع کے سوا ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور ان

وخلاف هؤلاء قبیح۔ بزرگوں کے برعکس کرنا بری بات ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۰۸)

اس سے ثابت ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدین کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشرہ مبشرہ صحابہ کے عمل کے برعکس ہے اور یہ کہ عشرہ مبشرہ صحابہ کے برعکس عمل کرنا بُری بات ہے اور یہ کہ رکوع کے وقت رفع یدین کرنا خلاف سُنّت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلاف سُنّت عشرہ مبشرہ صحابہ ہونے کی وجہ سے بُری بات ہے۔

حدیث، علما کو گمراہی میں ڈالنے والی ہے سوائے مجتہدین کے

اس سلسلے میں امام ابن عیینہ کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں: یہ امام سفیان بن عینیہ مکی ہیں جو امام جعفر صادق ایسی شخصیتوں کے شاگرد اور امام شافعی وامام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ کے استاذ الاساتذہ ہیں جن کی پیدائش ۱۰۷ھ کو ہوئی اور وصال ۱۹۸ھ میں ہوا۔ جن کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ

لولا مالك وسفیان لذهب علم الحجاز۔ اگر امام مالک اور امام سفیان بن عینیہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم جا چکا ہوتا۔

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱۹)

اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

ما رأیت احدا من الفقهاء اعلم بالقرآن والسنن منه۔ میں نے فقہاء میں سے کوئی نہیں دیکھا جو امام ابن عینیہ سے بڑھ کر قرآن وسنت کا جاننے والا ہو۔

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۲۱)

اس امام جلیل کا ارشادِ گرامی سنیئے، امام ابن الحاج مکی المدخل میں فرماتے ہیں کہ

قال ابن عیینه: الحدیث مضلة الا للفقهاء الخ (المدخل ج ۱ ص ۱۲۲)	امام ابن عیینہ نے فرمایا، حدیث، ائمہ مجتہدین کے سوا دوسروں کے لئے گمراہ کرنے والی ہے۔

یعنی حدیثوں کو سمجھنا دراصل مجتہدین کا کام ہے لہٰذا ہمیں ان مجتہدین کی تقلید و پیروی میں ہی حدیث پر عمل کرنا چاہیئے ورنہ بھٹک جائیں گے اور غیر مقلد حضرات اسی لئے بھٹک گئے۔

(۲۲) امام ابوداؤد علیہ الرحمۃ اپنی سند کے ساتھ حسن بن علی کے طریق سے ہے حضرت علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ تو آپ نے نماز پڑھی۔

فلم یرفع یدیه الا مرة واحدة۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۰۹)	تو آپ نے ایک ہی بار رفع یدین کیا۔

(۲۳) اسی امام نے اپنی سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۰۹)	بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے قریب تک اٹھاتے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(۲۴) امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت براء رضی اللہ عنہ والی

روایت بھی لاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ

رفع یدیہ حین افتتح الصلوٰۃ ثم لم یرفعہما حتیٰ انصرف۔

آپ نے جب نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر انہیں نہ اٹھایا حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۱۰)

(۲۵) امام محمد علیہ الرحمۃ مؤطا میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو جعفر القاری تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ

ان ابا ھریرۃ کان یصلی بھم فکبر کلما خفض ورفع وکان یرفع یدیہ حین یکبر ویفتتح الصلوٰۃ۔

بیشک حضرت ابو ہریرہ انہیں نماز پڑھاتے تھے تو وہ جب اپنے آپ کو نیچے جھکاتے یا اوپر کو اٹھاتے تکبیر کہتے تھے اور جب تکبیر کہہ کر نماز شروع کرتے تب رفع یدین کرتے تھے۔

(مؤطا امام محمد ص ۸۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز کے شروع کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے رکوع کے وقت نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ اس حدیث کے تحت امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

السنۃ ان یکبر الرجل فی صلوتہ کلما خفض وکلما رفع واذا انحط للسجود کبر واذا انحط للسجود الثانی کبر فاما رفع الیدین فی الصلوٰۃ فانہ یرفع

سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی نماز میں تکبیر کہے جب بھی اپنے آپ کو جھکائے یا اوپر کو اٹھائے اور جب سجدہ کو جھکے تو تکبیر کہے اور جب دوسرے سجدہ کو جھکے تکبیر کہے لیکن نماز میں رفع یدین کا مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے شروع

روایت کرتے وقت اس کا نام لیتے ہیں اور جب انہوں نے وہ روایت ان کے کئی ایک شاگردوں سے سُنی ہوتی ہے تو یہ خیال کرکے کہ وہ کس کس کا نام لیں جب کہ سارے ہی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں تو اس وقت وہ کسی ایک کا نام لئے بغیر "عن عبداللہ بن مسعود" کہہ کر روایت فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ روایت انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے شاگردوں سے سُنی ہے۔

چنانچہ امام ترمذی علیہ الرحمۃ ترمذی کی کتاب العلل میں اپنی سند کے ساتھ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام ابراہیم نخعی سے عرض کی آپ میرے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سند بیان فرمائیں تو امام ابراہیم نے فرمایا کہ

اذا حدثتکم عن عبد اللہ	جب میں تمہیں کسی ایک شخص کا نام لیکر
فھو الذی سمعت واذا قلت	عبداللہ بن مسعود سے روایت کروں
قال عبد اللہ فھو عن	تو وہی ایک شخص ہے جس سے میں نے
غیر واحد عن عبد اللہ۔	وہ روایت سُنی اور جب میں کہوں
(صحیح الترمذی ج ۲ ص ۲۳۹)	حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا

(یا فلاں کام کیا) تو اس کو میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے کئی ایک شاگردوں سے سُنا ہوتا ہے۔

اور امام ابن سعد کی طبقات میں ہے کہ آپ نے امام اعمش سے فرمایا:

اذا قلت قال عبد اللہ فقد	کہ جب میں کہوں حضرت عبداللہ بن
سمعتہ من غیر واحد من	مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو ان
اصحابہ واذا قلت حدثنی	کی وہ بات میں نے ان کے کئی ایک

فلان فحدثنی فلان" (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۷۲)

شاگردوں سے سُنی ہوتی ہے اور جب کہوں کہ مجھے فلاں نے یہ بات پہنچائی تو اسی ایک ہی نے پہنچائی یعنی وہ بات میں نے ان کے اسی ایک شاگرد سے ہی سنی ہوتی ہے اسلئے میں اس کا نام ذکر کر دیتا ہوں۔"

اسلئے حضرت ابراہیم نخعی کی مُرسل حدیث کو حدیث صحیح قرار دیا گیا ہے، چنانچہ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ امام یحیی بن معین سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا " مُرسلات ابراھیم صحیحۃ الخ (سنن البیہقی ج ۱ ص ۱۴۱) کہ امام ابراہیم نخعی کی مرسل حدیثیں صحیح حدیث کا درجہ رکھتی ہیں۔

لہٰذا امام ابراہیم کی یہ مرسل حدیث جو رفع یدین نہ کرنے سے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے انہوں نے روایت کی ہے۔ حدیث صحیح ہے۔

(۳۰) امام بخاری و مُسلم کے استاذ امام عبدالرزاق علیہ الرحمۃ اپنی کتاب المصنف میں اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا انہوں نے فرمایا کہ

اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا في اول مرۃ۔

کیا میں تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں تو آپ نے نماز پڑھی تو آپ نے صرف پہلی بار رفع یدین کیا پھر نہ کیا۔

(صحیح ترمذی ج ۱ ص ۳۵)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت براء بن عازب کی حدیث بھی ہے پھر فرماتے ہیں کہ

حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اہل العلم من اصحٰب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واہل الکوفۃ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث، حدیث حسن ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ و تابعین اہل علم میں سے کئی ایک حضرات یہی فرماتے ہیں اور امام سفیان ثوری اور کوفہ والوں کا یہی قول ہے۔

(صحیح الترمذی ج ۱ ص۳۵)

امام ترمذی کے اس فرمان سے کئی ایک مسائل واضح ہو گئے ایک یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود صرف ایکبار رفع یدین کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بھی ایک بار رفع یدین کرتے تھے اور اُن سے اس بارے میں حدیث مرفوع بھی آئی ہے۔ تیسرا یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث، حدیث حسن ہے۔ ضعیف نہیں ہے جو اسے ضعیف کہتے ہیں غلط کہتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود و براء بن عازب کے علاوہ کئی ایک تابعین بھی ایک بار رفع یدین کرتے تھے۔ چھٹا یہ کہ امام سفیان ثوری بھی ایک بار رفع یدین کرتے تھے۔ ساتواں یہ کہ کوفہ کے فقہاء کرام بھی ایک بار رفع یدین کرتے تھے۔ آٹھواں یہ کہ اگر ان صحابہ کرام نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے نہ دیکھا ہوتا تو یہ کبھی بھی اس عمل کو ترک نہ کرتے۔ نواں یہ کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ و تابعین کے مذہب کے مطابق ہے۔

☆ ☆ ☆

جوابِ حدیث "حتّٰی لقی اللہ"

رہا یہ سوال کہ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے اور آپ سجود میں ایسا نہ کرتے تھے تو آپ کی ہمیشہ یہی نماز رہی حتّٰی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین کا عمل ترک نہیں ہوا بلکہ آپ کا یہ عمل عمر بھر رہا۔

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے:

"فما زالت تلك صلوته حتى لقى الله تعالىٰ" کے جملہ کا تعلق اس سے پہلے جملہ" وكان لا يفعل ذلك فى السجود" کے ساتھ ہو یعنی آپ سجود میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور آخر عمر شریف تک آپ کی یہی نماز رہی۔ اور قرینِ قیاس بھی یہی ہے کیونکہ خود حضرت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین نہیں کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے احادیث بیان کر چکے ہیں اور مزید بھی بیان کریں گے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں کچھ راوی ایسے ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث دلیل بننے کے قابل نہیں رہتی چنانچہ اسکی سند میں ایک عصمہ بن محمد انصاری راوی ہے۔ جس کے بارے میں امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی علیہ الرحمۃ متوفی ۷۴۸ھ اپنی کتاب:

"میزان الاعتدال" میں فرماتے ہیں کہ

"عصمة بن محمد ، قال ابو حاتم لیس بالقوی وقال یحیی: کذاب یضع الحدیث وقال العقیلی حدث بالبواطیل عن الثقات وقال الدارقطنی متروك"

عصمہ بن محمد کے بارے میں امام ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں، امام یحیی نے کہا کہ بہت جھوٹا ہے، حدیثیں گھڑتا ہے اور امام عقیلی نے کہا کہ ثقہ راویوں سے بے بنیاد حدیثیں روایت کرتا ہے اور دارقطنی نے کہا کہ متروک ہے۔

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۲ ص ۶۸)

اسی طرح اسکی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن قریش بھی ہے اسکے بارے میں بھی میزان الاعتدال میں ہے کہ امام سلیمانی نے اس پر حدیثیں گھڑنے کا اتہام عائد فرمایا۔ لہٰذا یہ حدیث بھی حجت نہیں اور اسکے علاوہ اسمیں جواب نمبر ایک کی تاویل بھی معقول ہے۔

(۳۴) امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ اپنی مشہور کتاب "شرح معانی الآثار" میں اپنی سند کے ساتھ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر لافتتاح الصلوٰة رفع یدیه حتی یکون ابهاماه قریبا من شحمتی اذنیه ثم لا یعود۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کو تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے حتی کہ آپ کے انگوٹھے آپ کے دونوں کانوں کی لو کے قریب ہوتے اسکے بعد آپ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۰)

اِس حدیث سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے بلکہ آپ نے ترک فرما دیا تھا۔ لہٰذا رفع یدین سُنّت نہ ہوا اور دوسرا یہ کہ پہلی تکبیر میں جب ہاتھ اٹھائے جائیں تو ان کے انگوٹھوں کو دونوں کانوں کی لوتوں تک اٹھانا چاہیئے۔

(۳۵) امام طحاوی نے اِسی حدیث کو ایک دوسری سند کے ساتھ بھی روایت کیا۔ پہلی والی سند میں امام طحاوی کے شیخ امام ابوبکرہ کی سند ہے اور دوسری میں ان کے شیخ امام ابن ابی داؤد کی سند ہے، الفاظ ایک سے ہیں اسلئے ہم نے ان کا اعادہ نہیں کیا۔

(۳۶) امام طحاوی نے اسی حدیث کو اپنی ایک اور سند سے روایت کیا ہے جو ان کے شیخ محمد بن نعمان کی سند سے ہے۔

(۳۷) امام طحاوی اپنے شیخ ابن ابی داؤد کی سند کے ذریعے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں فرمایا:

انہ کان یرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثم لا یعود۔
(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۰)

کہ بلاشبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہ اٹھاتے تھے۔

(۳۸) امام طحاوی اپنے شیخ ابوبکرۃ سے وہ مؤمل سے وہ سفیان سے وہ مغیرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت امام ابراہیم نخعی سے کہا کہ وائل بن حجر کی روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع فرمائی تو رفع یدین کیا اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھایا۔ تو امام ابراہیم

نخعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ

ان کان وائل راٰہ مرۃ یفعل ذٰلک فقد راٰہ عبداللہ خمسین مرۃ لا یفعل ذٰلک۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۰)

اگر وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ایک بار دیکھا تو عبداللہ بن مسعود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔

(۳۹) امام طحاوی اپنے شیخ احمد بن داؤد کی سند کے ذریعے عمرو بن مرۃ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں حضرموت کی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں علقمہ بن وائل کو دیکھا جو اپنے باپ وائل رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین کرتے تھے تو میں نے امام ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کو یہ بتایا تو آپ ناراض ہوئے فرمایا کہ کیا؟

راٰہ ولم یرہ ابن مسعود ولا اصحابہ۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۰)

حضرت وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب نے نہ دیکھا۔

(۴۰) امام طحاوی اپنے شیخ ابوبکر کی سند کے ذریعے حضرت کلیب سے روایت کرتے ہیں کہ

ان علیاً رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع بعد (ایضاً)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔

(۴۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جہاں رفع یدین مروی ہے وہاں خود ان سے عدم رفع یدین بھی ثابت ہے چنانچہ امام طحاوی علیہ الرحمۃ اپنے شیخ ابن ابی داؤد کی سند کے ساتھ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ

صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا في التكبيرة الاولى من الصلوٰة۔

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نمازیں پڑھیں تو وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کی پہلی تکبیر میں۔

اس حدیث کو امام طحاوی روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

فهٰذا ابن عمر قد رأى النبي صلى الله عليه وآله وسلم يرفع ثم قد ترك هو الرفع بعد النبي صلى الله عليه وسلم فلا يكون ذٰلك الا وقد ثبت عنده نسخ ما رأى النبي صلى الله عليه وسلم فعله وقامت الحجة عليه بذلك۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص۱۱۰)

پس یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں بلاشبہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رکوع کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا پھر انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد رفع یدین چھوڑ دیا۔ تو یہ نہیں ہو سکتا مگر اس طرح کہ ان کے نزدیک اس چیز کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا جسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اور اس نسخ سے ان پر حجت قائم ہو چکی۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک زمانہ تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا اور اسکی روایت کی اور خود بھی کرتے رہے پھر انہوں نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تو ان کا رفع یدین کے عمل کو چھوڑنا

اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی کہ رفع یدین منسوخ ہو گیا اور اس سلسلے میں ان پر پوری طرح حجت قائم ہو چکی اگر ان پر حجت قائم نہ ہوئی ہوتی اور اس عمل کا منسوخ ہونا ان کے نزدیک ثابت نہ ہوا ہوتا تو وہ کبھی بھی اس عمل کو نہ چھوڑتے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ رفع یدین کا عمل منسوخ ہوا اور جو عمل منسوخ ہو جائے وہ سُنت نہیں ہو سکتا لہٰذا رفع یدین کا عمل سُنت نہ ہوا۔

(۲۲) امام طحاوی علیہ الرحمۃ اپنے شیخ ابن ابی داؤد کی سند کے ساتھ حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ

رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود۔	میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

اس حدیث کے بعد امام طحاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

فھذا عمر لم یکن یرفع یدیہ ایضا الا فی التکبیرۃ الاولی فی ھذا الحدیث وھو حدیث صحیح (الی ان قال) فتری عمر بن الخطاب خفی علیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ فی الرکوع والسجود وعلم	پس یہ عمر رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث میں واضح ہے رفع یدین نہ کرتے تھے مگر پہلی تکبیر میں اور یہ حدیث صحیح ہے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ حضرت عمر پر یہ مخفی رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع و سجود میں رفع یدین کرتے تھے اور اسے ترک نہیں فرمایا تھا اور حضرت وائل جو حضرت عمر سے کم مرتبہ کے ہیں انہیں

ذلك من دونه، ومن هو معه يراه يفعل غير ما رأى رسول الله يفعل ثم لا ينكر ذلك عليه هذا عندنا محال وفعل عمر هذا وترك اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اياه على ذلك دليل صحيح ان ذلك هو الحق الذي لا ينبغي لاحد خلافه۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۱)

ہی اس کا علم تھا؟ اور یہ کہ جو حضرت عمر کے ہمراہ صحابہ تھے وہ دیکھتے تھے کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کرتے دیکھا اسکے خلاف کرتے ہیں پھر انہیں نہ ٹوکا یہ ہمارے نزدیک محال ہے اور حضرت عمر کا یہ فعل یعنی رفع یدین نہ کرنا اور صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو اس پر چھوڑ دینا اس بات کی صحیح دلیل ہے کہ رفع یدین نہ کرنا ہی وہ حق بات ہے کہ کسی ایک کو بھی اسکے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴۳) سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اپنی مسند میں اسی سند کے ساتھ یعنی اپنے باپ علی بن حسین سے اور وہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ آپ

انه كان يرفع يديه في التكبيرة الاولى الى فروع اذنيه ثم لا يرفعهما حتى يقضي صلوته۔

(مسند امام زید رضی اللہ عنہ ص ۹۰)

پہلی تکبیر میں کانوں کی لوؤں تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے حتیٰ کہ اپنی نماز پوری کر لیتے۔

سنہری سند:۔

یہ سنہری سند ہے اسمیں تمام راوی جرح وقدح سے بالاتر ہیں امام زید ۱۲۲ھ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔ آپ حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے چچا اور استاذ بھی ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور سیدنا علی المرتضیٰ کے پڑپوتے ہیں اور آپ امام زہری و امام اعمش و شعبہ وغیرہم ایسے جلیل القدر محدثین کے بھی استاذ ہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ

امام ابن حبان نے آپ کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام کی بھی زیارت کی ہے۔

اور امام ذہبی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ

امام سُدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ امام زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

"الرافضۃ حربی وحرب ابی فی الدنیا والآخرۃ" — شیعوں سے میری اور میرے باپ کی دنیا اور آخرت میں لڑائی ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۹)

لہٰذا امام زید بن علی رضی اللہ عنہ ائمہ اہل سنت میں سے ہیں اور حجت ہیں۔ انہوں نے بھی اسی سنہری سند کے ساتھ یہ روایت فرمائی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔

رفع یدین نہ کرنے کی ایک عقلی دلیل

رکوع کی تکبیر میں رفع یدین

نہ کرنے کی ایک عجیب عقلی اور منطقی دلیل بیان کی جاتی ہے قارئین اس پر غور فرمائیں:
وہ یہ کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ کی تکبیر میں رفع یدین نہیں ہے البتہ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اسمیں رفع یدین ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں ہے جو اسمیں رفع یدین کو مسنون کہتے ہیں وہ اسے تکبیر اول کے ساتھ لاحق کرتے ہیں یعنی اسے پہلی تکبیر سے ملاتے ہیں، چونکہ پہلی تکبیر میں رفع یدین ہے لہٰذا اسمیں بھی رفع یدین ہونا چاہیئے اور جو اسمیں رفع یدین کو مسنون نہیں کہتے وہ اسے سجدہ کی تکبیر کے ساتھ ملاتے ہیں چونکہ سجدہ کی تکبیر میں رفع یدین مسنون نہیں ہے، اسلیئے رکوع کی تکبیر میں بھی رفع یدین کو مسنون نہیں ہونا چاہیئے
اب ہمیں حقیقت بیں نگاہوں اور عقل و دانش کے طریقہ سے دیکھنا ہے وہ یہ کہ درحقیقت رکوع سجدہ کو جانے کا ہی ذریعہ ہے، اسلیئے رکوع اور سجدہ کا بعض وجوہ سے ایک حکم ہے مثلاً جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے ایسے ہی غیر اللہ کے آگے رکوع کرنا بھی حرام ہے۔ جبکہ قیام جس کا تعلق پہلی تکبیر سے ہے ایسا نہیں ہے ہم غیر اللہ کے لئے قیام تعظیمی کرتے ہیں بلکہ کسی بزرگ شخصیت کے سلئے قیام تعظیمی کو مستحب سمجھتے ہیں اس سلسلے میں دلائل دیکھنا چاہیں تو ہماری کتاب "قیام تعظیم" ملاحظہ فرمائیں۔ اور سجدہ تلاوت والی آیت پڑھکر وہاں ہی رکوع کرلیں اور رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلیں تو اسی سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوجائے گا۔ غرضیکہ رکوع اور سجدہ ایک دوسرے سے بہت ہی قوی مناسبت و موافقت رکھتے ہیں اور دونوں کی حقیقت بھی ایک ہے یعنی انحناء اور جھکنا تو چونکہ رکوع کا تعلق پہلی تکبیر کے مقابلہ میں سجدہ کے ساتھ گہرا ہے اور علاوہ ازیں پہلی تکبیر فرض ہے اور رکوع کی تسبیح مسنون اور سجدہ کی بھی

مسنون ہے ان دونوں میں سے کوئی تکبیر ضروری نہیں ہے، رکوع کی تکبیر اگر رہ جانے تو نماز میں فرق نہیں آئے گا اسی طرح اگر سجدہ کی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز میں فرق نہیں آئیگا لیکن اگر پہلی تکبیر رہ جائے تو نماز ہی نہ ہوگی کیونکہ یہ تکبیر فرض ہے۔ لہٰذا رکوع کی تکبیر کا اس سے تعلق نہ ہوا بلکہ سجدہ کی تکبیر سے ہوا یعنی سنت ہونے کی حیثیت سے کہ یہ دونوں تکبیریں سنت ہیں اسلئے جب سجدہ کی تکبیر میں رفع یدین نہیں ہے تو رکوع کی تکبیر میں بھی نہیں ہونا چاہیئے۔

رہا یہ سوال کہ پھر شروع میں اسمیں رفع یدین کیوں تھا کیا اس وقت یہ تکبیر اولی سے ملی تھی اور فرض تھی؟ حالانکہ اس وقت بھی فرض نہ تھی اسکے باوجود اسمیں رفع یدین ہوتا تھا؟ جواب:۔

فلسفۂ رفع یدین

اس کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین یعنی ہاتھ اٹھانا دراصل اللہ تعالیٰ کی اس بڑائی کا اشارہ کی صورت میں اظہار ہے جو تکبیر سے ظاہر ہوتی ہے۔ شروع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی بڑائی کو مسلمانوں کے دلوں میں راسخ اور پختہ کرنے کے لئے رکوع میں ہاتھ اٹھایا جاتا تھا جب دیکھا گیا کہ بحمدہٖ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی بڑائی راسخ اور جاگزیں ہوچکی ہے تو پہلی تکبیر کے وقت تو رفع یدین کو باقی رکھا گیا کیونکہ وہ فرض ہے اور اسی سے نماز کی ابتداء ہوتی ہے اور مناسب ہے کہ جب زبان کیساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار ہو تو ساتھ ہی اشارہ سے بھی ہو اور اسکے بعد چونکہ نماز شروع ہوچکی بندہ اپنے خدائے قدوس سے ہم کلام ہوگیا اب آخر تک سکون ہی مناسب ہے۔

لہٰذا آیندہ تکبیروں میں خواہ رکوع کی ہوں یا سجود کی رفع یدین کی ضرورت نہیں کیونکہ بار بار ہاتھ اوپر کر اٹھانا نماز کی طرف یکسوئی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ کی طرف کمالِ توجہ اور اس سے پرسکون مناجات کے منافی ہے اسلئے رکوع کے وقت رفع یدین کو منسوخ و ممنوع فرما دیا گیا۔

(۴۴) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ ابو زکریا والی سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب والی حدیث روایت فرماتے ہیں جس کا متن پہلے گزر چکا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین فرماتے پھر نہ فرماتے تھے۔

(بیہقی ج ۲ صـ ۷۶)

ازالۂ شبہ

اسمیں یزید بن ابی زیاد راوی کی سند سے " ثم لا یعود " پھر عود نہیں فرماتے تھے یعنی دوبارہ رفع یدین نہیں فرماتے تھے، کے لفظ پر امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے اگرچہ تنقید فرمائی ہے کہ یزید بن ابی زیاد نے جب پہلے یہ روایت کی تو اس وقت حدیث میں " ثم لا یعود " کا جملہ روایت نہیں کیا یہ جملہ انہوں نے بعد میں شامل کیا چنانچہ امام سفیان کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھے پہلے یہ حدیث " ثم لا یعود " کے جملہ کے بغیر بتائی پھر جب میں کوفہ گیا تو ان سے ملاقات کی تو میں نے انہیں اس حدیث کو روایت کرتے سنا تو انہوں نے اسمیں " ثم لا یعود " کا جملہ بڑھا دیا تھا تو میں سمجھا کہ انہوں نے (کچھ لوگوں نے) انہیں یہ جملہ یاد دلایا جسے وہ بھول چکے تھے تو ان کے یاد دلانے پر انہوں نے اسے بعد میں بڑھا دیا۔ اور اس حدیث کو سفیان ثوری و زہیر بن معاویہ و ہشیم وغیرہ اہلِ علم نے بھی یزید بن ابی زیاد سے

روایت کیا ہے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی " ثم لا یعود " کا جملہ روایت نہیں کیا۔ (بیہقی ج ۲ صفحہ ۷۶)

راقم عرض کرتا ہے کہ امام بیہقی علیہ الرحمۃ اسقدر عظیم الشان علمی وروحانی شخصیت ہیں بلکہ آسمان علم وعرفان کا نہایت ہی روشن ستارہ ہیں مگر شاید آپ کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوئی کہ اس حدیث کو ہشیم اور شریک اور ایک دوسرے گروہ نے ان سے روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں " ثم لم یعد " کا جملہ موجود ہے۔ چنانچہ امام حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی علیہ الرحمۃ متوفی ۳۶۵ھ اپنی کتاب " الکامل " میں فرماتے ہیں کہ

ورواہ ھشیم وشریک و جماعۃ معھما عن یزید باسنادہ وقالوا فیہ " ثم لم یعد " (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ صفحہ ۲۷۳)	اس حدیث کو امام ہشیم و امام شریک اور ان کے ہمراہ ائمہ کی ایک جماعت یزید بن ابی زیاد سے اسکی سند کے ساتھ روایت کیا اور سب نے اس حدیث میں " ثم لم یعد " کا جملہ روایت کیا ہے۔

الحمدللہ۔ امام بیہقی علیہ الرحمۃ کا اعتراض رفع ہو گیا اور ثابت ہوا کہ جملہ " ثم لا یعود " بعد کا اضافہ نہیں ہے پھر امام بیہقی علیہ الرحمۃ یہی یزید بن ابی زیاد کی روایت اپنے شیخ ابو سعد مالینی کی سند سے لائے ہیں جس میں یہ ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کا ارادہ فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے۔

(بیہقی ج ۲ صفحہ ۷۷)

امام بیہقی علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ یزید بن ابی زیاد کی یہ حدیث متعارض ہے کبھی وہ کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر کہتے ہیں کہ نہیں کرتے تھے اسلئے یہ قابل اعتماد نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے جو رکوع کے وقت رفع یدین کرنیوالی روایت فرمائی ہے وہی ناقابل اعتماد ہے۔ اسلئے کہ اسکی سند میں جس کے ساتھ امام بیہقی نے یہ حدیث روایت فرمائی ہے ایک راوی ابراھیم بن بشار ہے وہ ناقابل اعتبار راوی ہے۔

چنانچہ امام ذہبی علیہ الرحمۃ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ یہ سفیان بن عیینہ کا شاگرد ہے:

کان یملی علی الناس ما	وہ لوگوں کو سفیان سے وہ حدیثیں
یسمعون من سفیان و	لکھواتا تھا جو انہوں نے ان سے
کان ربما املی علیھم	سنیں اور وہ جو انہوں نے نہ
مالم یسمعوا وکانہ	سنیں گویا وہ حدیث کے الفاظ
یغیر الالفاظ فیکون	میں ردوبدل کرتا تھا اور اپنی طرف
زیادۃ لیست فی الحدیث	سے ایسے الفاظ بڑھا دیتا جو حدیث
رای انہ قال وقال	میں نہیں ہوتے تھے۔ امام
ابن معین لیس بشئ و	ابن معین نے کہا کہ ابراھیم بن بشار
قال النسائی لیس بالقوی الخ	کچھ نہیں امام نسائی نے فرمایا
(تہذیب التہذیب ج ا صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰)	قوی نہیں۔

الحمد للہ اس سے امام بیہقی علیہ الرحمۃ کا یہ اعتراض بھی ساقط ہوگیا اور ان کی فرمودہ حدیث جس کا عدم رفع یدین سے تعارض ہوتا تھا خود ہی

معتبر نہ رہی کہ اسکی سند میں واقع راوی ابراھیم بن بشار ناقابل اعتبار ہے۔
لہٰذا حضرت براء بن عازب کی عدم رفع یدین والی حدیث اپنے محل پر معتبر قرار پائی۔

(۴۵) امام بیہقی اپنے شیخ ابو طاہر الفقیہ کی سند کے ساتھ حضرت علقمہ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی نماز پڑھکر دکھاتا ہوں تو انہوں نے نماز پڑھی اسمیں ایک ہی بار رفع یدین فرمایا۔

(بیہقی ج ۲ ص۸۱)

(۴۶) امام بیہقی نے یہ حدیث بھی سند کے ساتھ روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نمازیں پڑھیں وہ نماز کی پہلی تکبیر کے سوا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(بیہقی ج ۲ ص۷۹، ص۸۰)

یاد رہے کہ مختلف محدثین جب کسی ایک حدیث کو اپنی مختلف سندوں سے روایت کرتے ہیں تو ہر الگ الگ سند کے لحاظ سے ان حدیثوں کو شمار کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہم نے چھیالیس حدیثیں پیش کر دی ہیں جن سے ثابت ہو چکا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ و دیگر صحابہ نے رکوع کے وقت رفع یدین ترک فرما دیا تھا۔ اسلئے وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے بلکہ یہ بھی ثابت کریں گے کہ اس عمل کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا تھا لہٰذا رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین سنت ہونے کی بجائے ممنوع ٹھہرا

٭ ٭ ٭

رفع یدین کا قرآن سے ثبوت اور اُس کا جواب

ایک اہلحدیث کہلانے والے صاحب مجھ سے فرمانے لگے کہ رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا تو قرآن سے بھی ثبوت ملتا ہے۔ یہ کہکر انہوں نے سنن بیہقی کی یہ حدیث بیان فرمائی (ترجمہ ملاحظہ فرمائیں) کہ

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ" انا اعطینٰك الکوثر فصل لربك وانحر" اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کیسی قربانی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا؟ انہوں نے عرض کی کہ یہ قربانی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہیں تو دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھائیں اور رکوع کریں اور رکوع سے سر اٹھائیں تو رفع یدین کریں بے شک یہ ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی جو سات آسمانوں میں ہیں"۔
(سنن بیہقی ج ۲ ص ۷۵ ، ۷۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رفع یدین کرنا قرآن کی رُو سے ثابت ہے اور یہ کہ مقرب فرشتوں اور خصوصاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نماز ہے۔

جواب: راقم نے اس کا جواب عرض کیا کہ نحر کے یہ معنی لغت میں آتے ہی نہیں ہیں کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں اور نہ ہی ائمہ تفاسیر میں سے کسی امام نے یہ معنی کئے ہیں۔ پھر بالفرض اسے حکم مان بھی لیں تب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے کئی احکام منسوخ فرمائے یہ بھی منسوخ ہوا۔

اس کے علاوہ یہ حدیث موضوع و من گھڑت ہے چنانچہ اسکی سند میں اسرائیل بن حاتم ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے امام ذہبی نے ساتھ ہی اس حدیث کو بھی بیان کر دیا کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔

(ملاحظہ ہو)

اسرائیل بن حاتم، ابو عبد اللہ عن مقاتل بن حیان قال ابن حبان: روی عن مقاتل الموضوعات و الاوابد والطامات، من ذلك خبر یرویه عمر بن صبح عن مقاتل، وظفر به اسرائیل فرواه عن مقاتل عن الاصبغ بن نباتة، عن علی: لما نزلت "فصل لربك وانحر" قال یا جبرئیل ما هذه النحیرة؟ الخ

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۰۸)

اسرائیل بن حاتم، ابو عبد اللہ، مقاتل بن حیان سے روایت کرتا ہے اور امام ابن حبان نے فرمایا: یہ مقاتل سے من گھڑت، عجیب و غریب اور گھبرا دینے والی باتیں روایت کرتا ہے انہیں میں سے ایک وہ روایت ہے جسے عمر بن صبح مقاتل سے روایت کرتا ہے تو اسرائیل نے اس پر غلبہ پاکر اسے مقاتل سے مقاتل اصبغ بن نباتہ سے روایت کر دی وہ روایت یہ ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب "فصل لربك وانحر" نازل ہوئی تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا اے جبرئیل یہ کیسی قربانی ہے آگے پوری روایت بیان کی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔

رفع یدین کی منسوخیت

رکوع کے وقت رفع یدین کا

منسوخ ہونا ایک تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے عمل سے بھی ثابت ہے اس سلسلے میں اگر کوئی دوسری دلیل نہ بھی ہوتی جب بھی اسی قدر کافی تھا کہ آپ کے صحابہ نے آپ کو دیکھا آپ نے رکوع کے وقت رفع یدین نہیں فرمایا۔ پھر خلفاء راشدین پھر عشرہ مبشرہ صحابہ کا رفع یدین نہ کرنا بہت بڑی دلیل ہے کہ یہ عمل متروک و منسوخ ہو گیا تھا۔ اسکے علاوہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زبان اقدس سے بھی رفع یدین کرنے سے منع فرما دیا، اور نماز میں سکون اختیار کرنے کی تلقین فرمائی چنانچہ یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ۔	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا کیا بات ہے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ ہاتھ اوپر اٹھاتے ہو گویا کہ وہ بے چین گھوڑوں کے دم ہیں (کہ اوپر نیچے ہو رہے ہیں)

(صحیح مسلم ج ۱ ص۱۸۱)

یہاں حضرت جابر بن سمرہ کی ایک اور حدیث بھی ہے جسکی عبارت یوں ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ

صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم السلام علیکم، فنظر الینا	میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی تو ہم جب سلام پھیرتے تو ہم ہاتھ سے اشارہ کرتے السلام علیکم، السلام علیکم۔ تو آپ نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبہ ولا یومی بیدہ۔

نہیں کیا ہوا تم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو گویا کہ تمہارے ہاتھ بے چین گھوڑے کی دُم ہیں تو جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف توجہ کرے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

(صحیح مسلم ج ا ص۱۸۱)

یہ دو حدیثیں ہیں پہلی حدیث کے ذریعے رفع یدین نہ کرنے اور نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں نماز سے سلام پھیرتے وقت جو ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے اس سے منع فرمایا گیا۔

جب کہ پہلی حدیث میں نہ سلام کا ذکر ہے اور نہ سلام کے وقت اشارہ کرنے کا، جب کہ دوسری حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ لہٰذا دونوں حدیثوں کو اپنے اپنے محل پر رکھنا چاہیئے ان کو ایک حدیث قرار نہیں دینا چاہیئے۔ حدیثوں کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کا موضوع مختلف ہے۔ یعنی ان میں سے پہلی حدیث کا موضوع اور ہے اور دوسری کا اور۔ پہلی حدیث سے کسی اور چیز سے منع کیا گیا ہے اور دوسری میں کسی اور چیز سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ہم پہلی حدیث کو اجمال اور دوسری کو اسکی تفصیل و تفسیر قرار دیں۔ اور اسکے کئی ایک درج ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ پہلی حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

"اسکنوا فی الصلوٰۃ" ان کے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے کے بارے میں وارد ہوا۔ چنانچہ نسائی شریف کی اس حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

"عن جابر بن سمرۃ قال: خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و نحن رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ۔ (نسائی شریف ج ۱ ص۱۷۶)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم نماز میں رفع یدین کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ ان کو کیا ہو گیا کہ وہ ہاتھوں کو نماز میں بلند کرتے ہیں گویا کہ سرکش گھوڑے کی دم ہیں نماز میں سکون اختیار کرو"

اِس حدیث میں" رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ "کا جملہ غور طلب ہے کہ ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے۔ اور آپ نے فرمایا" اسکنوا فی الصلوٰۃ "کہ نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ اسکے برعکس دوسری حدیث میں یہ بات ہی نہیں ہے کہ ہم نماز میں رفع یدین کرتے تھے اور نہ ہی یہ الفاظ ہیں کہ نماز میں سکون اختیار کرو۔ بلکہ اسمیں ہے کہ جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھ والے کی طرف دیکھے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے کیونکہ ان کا ہاتھ اٹھانا سلام کے وقت تھا اور یہ حالت نماز کے اندر کی نہیں بلکہ نماز سے باہر آنے کی ہے لہٰذا اس دوسری حدیث میں" اسکنوا فی الصلوٰۃ "نہیں آیا۔

(۲) دوسرا یہ کہ حدیث اوّل میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر مبارک سے تشریف لانے کا ذکر ہے اس موقع پر آپ ان

کے ساتھ اس نماز میں شریک نہ تھے چنانچہ مسند امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ واضح طور پر ہیں کہ

انّہ علیہ السّلام دخل المسجد فابصر قوما قد رفعوا ایدیھم فقال قد رفعوھا کانھا اذناب الخیل الشُمُس اسکنوا فی الصّلوٰۃ۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ رفع یدین کرتے ہیں تو فرمایا یہ لوگ ہاتھ اوپر کرتے ہیں گویا ان کے ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دُم ہیں۔

(مسند امام احمد ج ۵ صـ۹۳)

اس کے برعکس دوسری حدیث میں جو نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا مذکور ہے اس نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ تھے جیسا کہ اس حدیث کے ان الفاظ سے واضح ہے " صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم " اور بعض روایات میں ہے " کنا اذا صلینا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم " کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی یا جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو جب ہم سلام پھیرتے تو ہم ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہتے: السّلام علیکم

(۳) تیسرا یہ کہ پہلی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رفع یدین کرنا نمازیوں میں سے مخصوص لوگوں کا فعل تھا اور یہ وہ لوگ تھے جو اس وقت مسجد میں نوافل پڑھ رہے تھے خواہ وہ سب کے سب کر رہے تھے یا ان میں سے کچھ کر رہے تھے ان حضرات کے سوا جو اس وقت نماز میں ہی نہیں تھے۔ لیکن ہاتھ کے

برعکس دوسری حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس رفع یدین سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا وہ سب کا فعل تھا۔

(۴) چوتھا یہ کہ پہلی حدیث میں ایک لفظ عام "اسکنوا فی الصلوٰۃ" کہ نماز میں سکون اختیار کرو، کے ذریعے رفع یدین سے منع کیا گیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں نماز کی ایک مخصوص حالت یعنی سلام پھیرنے کی حالت میں اشارہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ثابت ہوگیا کہ دونوں حدیثیں الگ الگ موضوع رکھتی ہیں۔ پہلی حدیث کا موضوع نماز کے اندر رفع یدین کرنے سے منع کرنا اور سکون اختیار کرنا ہے جبکہ دوسری حدیث کا موضوع نماز سے فراغت کی حالت میں سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرنے سے منع کرنا ہے۔ لہٰذا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور آپ کے فرمان دونوں سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی ممانعت ثابت ہوگئی۔

اس موضوع پر اور بھی کچھ حدیثیں تھیں جنہیں ہم نے بخوفِ طوالت چھوڑ دیا ہے کہ سمجھدار اور باشعور کے لئے تو ایک معتبر حدیث بھی کافی ہے، جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کو ایک صحیح روایت پہنچی تو انہوں نے رفع یدین نہ فرمایا، اور ہٹ دھرم کے لئے ہزاروں حوالے بھی بیکار ہیں۔



مسئلۂ رفع الیدین پر وہابی مکتب فکر کے جناب اثری صاحب کے اعتراضات اور انکے جوابات

وہابی مکتبِ فکر کے جناب ارشاد الحق اثری (فیصل آباد) نے وہابی مکتب فکر کے آرگن ہفت روزہ "الاعتصام" میں بے جا تنقید شروع کر دی۔ راقم کی طرف سے اسکے جواب میں کچھ تاخیر اسلیئے ہوئی کہ راقم کی آنکھوں میں کچھ تکلیف سی ہو گئی تھی حتیٰ کہ آپریشن تک نوبت پہنچ گئی اور اسکی وجہ سے کثیر مطالعہ اور لکھنا ممکن نہ تھا۔ اب آپریشن کے بعد الحمدللہ آنکھوں کی حالت نسبتۃً بہتر ہو گئی ہے۔ اور اب میں اپنے آپ کو پڑھنے اور لکھنے کے کچھ قابل محسوس کرنے لگا ہوں نیز کچھ احباب اہلسنت کے خطوط بھی موصول ہوئے جنمیں انہوں نے بڑی شدت سے مطالبہ کیا کہ اس کا جواب لکھنا چاہیئے۔ لیجئے قارئین کی خدمت میں جواب حاضر ہے۔ غور و فکر سے مطالعہ کرنے والے احباب انشاء اللہ اسے ایک کافی وشافی جواب پائیں گے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ۔ وَصَلَّى اللهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين۔

جناب اثری صاحب لکھتے ہیں:

"رفع یدین اکثر صحابہ کرتے تھے اور اسکی احادیث متواترہ ہیں۔"

(الاعتصام ۸ جنوری ۱۹۹۳ء صلا)

اثری صاحب نے یہاں دو دعوے کئے ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ رفع یدین کرتے تھے اور دوسرا یہ کہ رفع یدین کی احادیث متواتر ہیں۔"

اب ہم موصوف کے دونوں دعووں کے سلسلے میں پیش کئے گئے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی دلیل

پہلی دلیل میں مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص۲۳۵ و بیہقی ج ۲ ص۷۵ کی عبارت نقل کی گئی ہے جس کا متن ہے:

"کَانَ اَصْحَابُ النبی صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم کأنما ایدیھم المراوح یَرفعونھا اذا رکعوا واذا رفعوا رؤسھم۔"

کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

"کہ صحابہ کرام رکوع کو جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت رَفع یَدین کرتے تھے گویا ان کے ہاتھ پنکھے ہیں۔" (الاعتصام ص۱۲)

اثری صاحب کے مذکورہ حوالہ میں غلطیاں

اثری صاحب کے پیش کردہ مذکورہ حوالہ میں متعدد غلطیاں ہیں۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ حوالہ میں مصنف ابن ابی شیبہ کی جلد اوّل کا صفحہ ۲۲۵ لکھا ہے جبکہ ص۲۲۵ ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے فرمان، جو جمہور محدثین کے نزدیک "حدیث مقطوع" کے نام سے موسوم ہو کر حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ کے متن میں "کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے بعد لفظ "فی صلوتھم" چھوڑ گئے۔ تیسری غلطی یہ فرمائی کہ انہوں نے حدیث کے متن میں جو لفظ "المرواح" لکھا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی کی سنن کبریٰ دونوں میں لفظ "المرواح" نہیں ہے بلکہ "المرواح" کی بجائے "المراوح" اور "مراوح"۔ ہے مصنف میں "المراوح" اور بیہقی میں "مراوح" ہے۔ اور فرق ظاہر ہے کہ اثری صاحب نے جو لفظ تحریر فرمایا وہ واحد کا صیغہ ہے۔ جبکہ حدیث مقطوع میں واحد کی بجائے جمع ہے۔ اور اثری صاحب نے چوتھی غلطی یہ فرمائی کہ حدیث کے متن میں "المرواح" صیغہ تو واحد کا تحریر فرمایا جس کا معنیٰ ہے "پنکھا" مگر اس کا ترجمہ "پنکھے" جمع سے کیا اور پانچویں غلطی یہ فرمائی کہ بیہقی اور مصنف دونوں کی روایتوں کے متن کو باہم خلط ملط کر دیا جو آدابِ روایت کے خلاف ہے بلکہ محدثین اسے بُرا سمجھتے ہیں۔

قارئین! اثری صاحب کے مبلغ علم اور بے احتیاطیوں کا یہاں سے اندازہ فرمائیں

کہ ایک چھوٹی سی حدیث میں استقدر غلطیاں کر گئے تو ان کی دیگر تحقیقات کا کیا حال ہوگا۔

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

چونکہ تابعی کا قول بحیثیت تابعی، حدیث کا مصداق ہے چنانچہ امام العرب والعجم شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۰۵۲ھ مقدمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ان الحدیث فی اصطلاح جمھور المحدثین یطلق علی قول التابعی وفعلہ وتقریرہ (ایضا)	کہ جمہور محدثین کی اصطلاح میں تابعی کے قول و فعل و تقریر کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔

لہٰذا حضرت حسن بصری کا قول مذکور بھی حدیث ہی ٹھہرا اور حدیث کا احترام صاحب حدیث کا احترام ہے جس کا مرجع حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات قرار پائی ہے۔ کیونکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ صحابہ کے عمل کو بیان فرما رہے ہیں اور صحابہ کا عمل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کا بیان ہے۔ اس نسبت سے اس قول کو جمہور محدثین حدیث کا درجہ دیتے ہیں لہٰذا اس کا احترام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی احترام ہوگا اور حدیث پاک کے احترام کا تقاضا ہے کہ علم و تحقیق کا مدعی مسلمان جب کسی حدیث پاک خواہ وہ مرفوع ہو یا موقوف یا مقطوع ہو کو لکھے یا لکھوائے تو اسے خوب احتیاط و غور کے ساتھ لکھے اور لکھوائے اور اسی طرح خوب احتیاط و غور و فکر سے ہی اس کا ترجمہ کرے کیونکہ حدیث پاک کا احترام بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی احترام ہے۔ ہمارے استاذ محترم فقیہ ملت و محدث امت حضرت قبلہ مفتی امید علی خاں سابق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ رامپور و مفتی اعظم مرکزی مدرسہ انوار العلوم ملتان، رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص حدیث مبارک کو غلط پڑھتا یا لکھتا یا اس کا ترجمہ یا اس کا مفہوم غلط بیان کرتا ہے تو اس سے صاحب حدیث کی روح مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لئے وہ حدیث کے کسی ایسے طالب علم کو حدیث شریف

کی عبارت پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جو اچھی طرح سے اس کا مطالعہ کر کے نہ آیا ہوتا۔ وہ فرماتے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا ہی ایک حصہ ہے۔

ساقی کا احترام بھی لازم ہے اے صبا
ہر ہر قدم پہ لغزش بے جا نہ کیجئے

لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ وہابی مذہب کی بنیاد ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر محبوبانِ خدا جل شانہٗ کی بے ادبی پر ہے۔ چنانچہ یہ بات ان لوگوں سے ڈھکی چھپی نہیں جو روضۂ اقدس پر حاضری دیتے ہیں وہاں پر متعین کئے ہوئے وہابی مولوی صاحبان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے سے روکتے ہیں بلکہ زبردستی ہاتھ چھڑا دیتے ہیں اور کوئی روضۂ اقدس کی طرف منہ کر کے دعا کرے تو اسے روضۂ اقدس کی طرف پیٹھ اور کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اگر کوئی انکا کہنا نہ مانے تو اسے حوالۂ پولیس کر دیتے ہیں۔ نومبر ۱۹۹۲ء میں راقم کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی کیا کہ راقم نے جب ان کا کہنا نہ مانا تو پولیس کو بلا لائے کہ یہ کعبہ کی طرف منہ اور روضۂ اقدس کی طرف پیٹھ کر کے دعا نہیں مانگتے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے آپ کی قبرِ انور بھی کعبہ سے بلکہ آسمانوں حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہے:

کَمَا قَالَ الْقَاضِیْ عِیَاض رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہٖ
اَلشِّفَاءِ الشَّرِیْف۔

مگر وہابی مذہب میں حبیب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ادب بھی شرک قرار پایا تو ان سے آپ کی حدیث مبارک یا آپ کے صحابہ و تابعین کرام کے ارشادات کے ادب و احترام کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے امام اہلسنت مجدد دین و ملت، ایمانا

والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک اعلیحضرت شاہ احمد رضا خاں محدث وفقیہ بریلی علیہ الرحمۃ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔ (وللہ درہ) ؎

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

تحقیق متن

وہابی مکتب فکر کے جناب اثری صاحب نے اپنی پہلی دلیل میں جو مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا فرمان شریف جو حدیث مقطوع سے موسوم ہے، نقل فرمایا ہے اب ہم قارئین کی خدمت میں اسکے متن کی تحقیق وتجزیہ پیش کرتے ہیں، اور اثری صاحب نے اس کے متن کے نقل کرنے میں جو گھپلے کئے ہیں ان کا انکشاف بھی۔

بیہقی کا متن مع سند

امام بیہقی علیہ الرحمۃ اس حدیث مقطوع کو اپنے شیخ محمد بن عبد اللہ الحافظ سے، وہ ابو بکر بن اسحٰق سے وہ ابو المثنی سے وہ محمد بن منہال سے وہ یزید بن زریع سے وہ سعید (ابن ابی عروبہ) سے وہ قتادہ سے وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

كَانَ اَصحاب رسُول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُم اِذَا رَكَعوا وَاِذَا رفعوا رؤسهم من الركوع كأنما ايديهم مراوح.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب رکوع کرتے اور جب اپنے سروں کو رکوع سے اٹھاتے تھے گویا ان کے ہاتھ پنکھے ہیں۔

(بیہقی شریف ج ۲ ص ۷۵)

"مُصنّف" کا متن مع سند

اور امام ابن ابی شیبہ اس حدیث کو اپنی مُصنّف میں معاذ بن معاذ سے وہ (سعید) ابن ابی عروبہ سے وہ قتادہ سے وہ حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ

كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوتِهِمْ كَاَنَّ اَيْدِيْهِمْ الْمَرَاوِحُ اِذَا رَكَعُوْا وَاِذَا رَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اپنی نماز میں تھے گویا ان کے ہاتھ پنکھے ہیں، جب رکوع کو جاتے اور جب اپنے سروں کو اٹھاتے۔

(مُصنّف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۵)

اثری صاحب کا نقل کردہ متن

اور اثری صاحب کی نقل کردہ عبارت جو انہوں نے دونوں مذکورہ کتابوں کے حوالوں سے لکھی ہے درج ذیل ہے۔

كَانَ اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كأنما ايديهم المراوح يرفعونها اذا ركعوا واذا رفعوا رؤسهم۔	کہ صحابہ کرام رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے گویا ان کے ہاتھ پنکھے ہیں۔
(الاعتصام ص ۱۲)	(ترجمہ اثری صاحب)

عبارتوں کے نقل کرنے میں بے احتیاطیاں یا تحریفیں:

جناب اثری صاحب نے دونوں کتابوں کی عبارتوں کے نقل کرنے میں جو بے احتیاطیاں فرمائیں اور گھپلے کئے وہ بھی قارئین ملاحظہ فرمائیں۔ اثری صاحب نے "کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

کی عبارت مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی راس کے بعد " فی صلوتھم " کی عبارت چھوڑ گئے۔ پھر " کأنما ایدیھم " کی عبارت بیہقی سے لی۔ پھر " المراوح " کا لفظ بہ صیغۂ واحد اپنی طرف سے درج کیا، جبکہ بیہقی میں " مراوح " بہ صیغۂ جمع لام تعریف کے بغیر ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں " المراوح " بہ صیغہ جمع لام تعریف کے ساتھ ہے۔ پھر موصوف نے " یرفعونھا " کا جملہ بھی خود ایجاد فرمایا کیونکہ بیہقی میں " یرفعون ایدیھم " ہے جبکہ مصنف کی عبارت میں یہ لفظ ہی نہیں ہے۔ پھر موصوف نے " اذا رکعوا واذا رفعوا رؤسھم " کی عبارت مصنف سے درج کی۔ یہ متعدد بے احتیاطیاں اور کئی ایک کھلے تحریفیں ہیں جن کے اثری صاحب مرتکب ہوئے ہیں۔

قارئین غور فرمائیں کہ وہابی مکتب فکر کے شیخ الحدیث یا محدث کی حدیث دانی کا کیا ہی عجیب عالم ہے اور یہ بھی سوچیں کہ جنہیں ایک مختصر سی حدیث کی عبارت کے نقل کرنے کی تمیز تک نہیں ہے کیا انہیں اہلحدیث کہلانے کا حق بھی ہے؟

اور کیا عامۃ المسلمین کی نجات اس میں ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد بن حنبل جیسی امت کی عظیم الشان اصحاب علم وتحقیق وارباب اجتہاد ہستی شخصیتوں کی تحقیقات پر اعتماد کریں یا ان نام نہاد اہلحدیثوں کی جاہلانہ وخود ساختہ تحقیقات پر جنہیں ایک مختصر سی حدیث کے نقل کرنے کی تمیز وصلاحیت تک بھی میسر نہیں ہے۔ محدثین نے تو ایسے راویوں کو کبھی بھی لائق اعتبار نہیں گردانا جو کسی حدیث کے متن کو روایت کرنے میں اس طرح کی تحریفوں یا بے احتیاطیوں کے مرتکب ہوتے ہوں چہ جائیکہ انہیں محدث کہا جانے یا شیخ الحدیث اور محقق قرار دیا جائے۔

قارئین ! حقیقت یہ ہے کہ میں جب بیچارے سیدھے سادھے عوام اور انپڑھ اہلحدیث کہلانے والوں اور ان کے ایسے محدثوں کو دیکھتا ہوں تو ایسے لگتا ہے جیسے سے

اندھیر نگری چوپٹ راجا ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھا جا

نیز قارئین اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ جنہیں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے نقل کرنے کا سلیقہ نہیں آتا وہ یہ شعر کہہ کر کہ

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

اور اس پر عمل کرنے سے عامۃ المسلمین کو عوام کو ائمہ اربعہ کی تحقیقات کی روشنی میں حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے روکیں اور اس کے برعکس عوام کو اپنی غلط تحقیقات کی روشنی میں حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی ترغیب دیں کیا یہ عامۃ المسلمین کے ساتھ بہت بڑی زیادتی اور ان پر بہت بڑا ظلم نہیں ؟

اثری صاحب کی پیش کردہ حدیث کی سندوں کا ایک جائزہ

اب ہم جناب اثری صاحب کی پیش کردہ مذکورہ حدیث مقطوع کی سندوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

بیہقی کی سند میں ابو المثنیٰ راوی مجہول ہے

اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنے شیخ محمد بن عبداللہ الحافظ سے انہوں نے ابو بکر بن اسحٰق سے انہوں نے ابو المثنیٰ سے انہوں نے محمد بن منہال سے انہوں نے یزید بن زریع سے انہوں نے سعید (بن ابی عروبہ) سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی سند

امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث

منظور کو معاذ بن معاذ سے انہوں نے (سعید) ابن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے اور انہوں نے حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

بیہقی کی سند پر جرح

قارئین! ہم امام بیہقی کی سند پر جرح کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ اسمیں "ابوالمثنی" جو راوی ہے اسکا نام ضمضم الاملوکی الحمصی ہے اور وہ مجہول ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالی تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں۔

قال ابن القطان ابوالمثنی مجہول	امام ابن القطان نے فرمایا کہ ابوالمثنی راوی
سواء کان واحدا او اثنین	مجہول ہے خواہ ابوالمثنی ایک ہو یا دو ہوں
قال واما قول ابن عبد البر ابو	اور فرمایا کہ ابن عبدالبر کا کہنا کہ ابوالمثنی
المثنی ثقة فلا یقبل منه	ثقہ ہے تو ان کا کہنا قابلِ قبول نہیں انہوں نے
كذا قال وتعقبه ابن المواق	اسی طرح فرمایا اور ان کے پیچھے چلے
بانه لا فرق بين ان يوثقه	امام ابن المواق کہ اسبات میں کوئی فرق
الدارقطنی او ابن عبد البر۔	نہیں کہ ابوالمثنی کو دارقطنی ثقہ کہے یا ابن
(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۶۳)	عبدالبر (وہ ہر صورت ثقہ نہیں بلکہ وہ مجہول راوی ہے)

الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ اسکی سند میں واقع ابوالمثنی راوی مجہول ہے۔ لہذا یہ روایت ہمارے خلاف حجت نہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی سند

اسکے بعد امام بیہقی کی سند سعید بن ابی عروبہ میں امام ابن ابی شیبہ کی سند کے ساتھ جاکر مل جاتی ہے۔ یعنی اس روایت میں امام بیہقی اور امام ابن ابی شیبہ

دونوں کی سندیں سعید بن ابی عروبہ سے لیکر آخر تک ایک ہو جاتی ہیں۔ ہم نے ابوالمثنی کے بارے میں تو بتا دیا کہ وہ مجہول راوی ہیں اسکے بعد دونوں کی سندوں کے ایک مشترک راوی سعید بن ابی عروبہ ہیں ان کے بارے میں محدثین کی سُنیئے۔

دونوں سندوں کے مشترک راوی ابن ابی عروبہ کی حیثیت

دونوں سندوں کے مشترک راوی سعید بن ابی عروبہ کے بارے میں امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ وہ اگرچہ ثقہ تھا تاہم آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہوگیا تھا اور اُسکی یادداشت بُری طرح متاثر ہوگئی تھی اور وہ حدیثوں کے راویوں اور حدیثوں کی عبارات کو باہم غلط ملط (گڈمڈ) کر دیتا تھا۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ

کُنّا ندخل علیٰ سعید فنسمع فما کان من صحیح حدیثہ اخذناہ وما لم یکن طرحناہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۶۴)

ہم سعید بن ابی عروبہ کے ہاں جاتے تو اس سے حدیثیں سُنتے پس جو اُسکی صحیح حدیث ہوتی ہم اُسے لے لیتے اور جو صحیح نہ ہوتی ہم اُسے پھینک دیتے۔

اس سے بھی واضح ہوگیا کہ ان کا حافظہ اس حد تک خراب ہوگیا تھا کہ وہ حدیث روایت کرتے وقت صحیح اور غیر صحیح میں تمیز تک نہیں کر سکتے تھے۔

سعید بن ابی عروبہ کا ۱۵۶ھ یا ۱۵۷ھ میں انتقال ہوا۔

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ

قال الازدی اختلط اختلاطا قبیحا۔

سعید بن ابی عروبہ بُری طرح اختلاط کا شکار ہوگئے تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۶۴)

سعید بن ابی عروبہ کے حافظہ کے خراب اور اختلاط کے شکار ہونے

کے زمانہ میں مختلف اقوال ہیں - ایک قول یہ ہے کہ ۱۴۸ھ میں اختلاط کا شکار ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ ۱۴۲ھ کے بعد ہوئے- امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں ان کا حافظہ اس حد تک خراب ہو گیا تھا کہ

یقول فی الاختلاط قتادۃ عن انس او انس عن قتادۃ -	وہ اختلاط کے عالم میں کہتے تھے کہ قتادہ نے انس سے یا انس نے قتادہ سے روایت کی -

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص۶۵)

امام حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۵ھ "الکامل فی ضعفاء الرجال" میں لکھتے ہیں کہ

فمن سمع منہ سنۃ اثنتین و اربعین فھو صحیح السماع و سماع من سمع من بعد ذلك فلیس بشیٔ -	جس نے سعید بن ابی عروبہ سے ۱۴۲ھ تک حدیث سنی وہ صحیح السماع ہے اور جس نے اس کے بعد سنی اس کا سننا کوئی چیز نہیں -

(الکامل ج ۳ ص۱۲۳)

امام ابن حجر عسقلانی سعید بن ابی عروبہ کے زمانۂ اختلاط کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ یزید بن زریع نے کہا کہ

اختلط سعید فی الطاعون یعنی سنۃ (۱۳۲)	سعید اختلاط (حافظہ کی خرابی میں) ۱۳۲ھ میں مبتلا ہوئے -

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص۶۶)

یاد رہے کہ یزید بن زریع ، سعید بن ابی عروبہ کے شاگرد رشید ہیں بلکہ سب سے اعلیٰ پایہ کے شاگرد ہیں جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے وہ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ان کے حافظہ کی خرابی ۱۳۲ھ سے ہوئی -

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ۱۳۲ھ سے آغاز ہوا مگر آخر میں یعنی ۱۴۲ھ سے تو ان پر مکمل طور پر اور پوری طرح اختلاط کا غلبہ ہو گیا۔

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۶۶)

امام حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی م ۳۶۵ھ الکامل میں لکھتے ہیں کہ مسلم بن ابراھیم نے کہا کہ

کتبت عن سعید بن ابی عروبہ التصانیف فخاصمنی ابی فسجرت التنور فاخذتہ وطرحتہ فیہ۔

(الکامل ج ۳ ص ۱۲۳)

میں نے سعید بن ابی عروبہ سے کچھ تصانیف (روایات) لکھیں تو اس پر میرے والد مجھ سے جھگڑے تو میں نے تنور جلایا اور جو کچھ سعید بن ابی عروبہ سے لکھا تھا سارا تنور میں ڈال دیا۔

سعید بن ابی عروبہ سے روایت کرنا مسلم بن ابراھیم کے والد نے ایک تو اس لئے ناپسند کیا کہ ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اور اس لئے بھی کہ وہ اور اس کا استاذ قدری عقیدہ رکھتے تھے۔ مگر امام حسن بصری کے شاگردوں سے اپنا قدری ہونا چھپاتے تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریوں کو اس امت کے مجوس قرار دیا۔

نیز حفص بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ سعید بن ابی عروبہ نے مجھ سے کہا کہ

اذا حدثت عنی فقل حدثنا سعید الاعرج عن قتادۃ الاعمیٰ عن الحسن الاحدب۔

(الکامل ج ۳ ص ۱۲۳)

جب تم مجھ سے روایت کرو تو یوں کہا کرو کہ ہم سے سعید لنگڑے نے قتادہ اندھے سے انہوں نے حسن کبڑے سے روایت کی۔

یہ سعید بن ابی عروبہ لنگڑے تھے اور ان کے استاذ قتادہ اندھے۔

مگر حسن بصری رضی اللہ عنہ کبڑے نہ تھے لیکن سعید بن ابی عروبہ نے اپنے حافظہ کی خرابی یا مزاحًا ان کو کبڑا کہہ یا جو ان کی شانِ بزرگی کے خلاف تھا۔ کیونکہ ان کی مزاح کرنے کی عادت نہ تھی (ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص۴۱۵) اور اساتذہ سے بلکہ اساتذہ کے اساتذہ سے مذاق کرنا سُوءِ ادبی ہے۔

چنانچہ امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء میں یہ بات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

قلت لم نسمع بان الحسن البصری کان احدب الا في هذه الحكاية.	میں نے کہا کہ ہم نے اس حکایت کے سوا نہیں سُنا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کبڑے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص۴۱۴)

تدلیس نیز امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی سعید بن ابی عروبہ کے بارے میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ تدلیس کرتے تھے۔

"وكان من المدلسين"	کہ سعید بن ابی عروبہ مدلسین سے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص۴۱۵)

اور تدلیس کے معنی چھپانے کے ہیں مگر اصطلاحِ محدثین میں تدلیس اس بات کا نام ہے کہ کوئی راوی ایک شخص سے جس سے اس نے حدیث کا سماع نہیں کیا ایسے لفظ سے حدیث روایت کرے جس سے سماع کرنے کا وہم پیدا ہو اور قطعی طور پر جھوٹ بھی ظاہر نہ ہو۔ محدثین اسے راوی میں عیب قرار دیتے ہیں۔

امام ابو بکر البزار ان کے بارے میں فرماتے ہیں

يحدث عن جماعة لم يسمع	کہ سعید بن ابی عروبہ محدثین کی ایک

منهم فاذا قال سمعت وحدثنا كان ماموناً على ما قال۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص۶۴)

ایسی جماعت سے روایت کرتے ہیں جن سے انہوں نے خود نہیں سُنا پس وہ جب "سمعت" (میں نے خود سُنا) اور "حدثنا" (انہوں نے ہم سے تحدیث بیان کی) کہیں تو وہ مامون ہیں یعنی ان کی بات میں تدلیس سے امن ہوگا۔

ورنہ تدلیس کا احتمال ہوگا ایسی صورت میں ان کی روایت حجت نہ ہوگی۔ زیر بحث روایت میں بھی "سمعت قتادة" یا "حدثنا قتادة" کا لفظ نہیں ہے بلکہ "عن قتادة" کا لفظ ہے جسمیں تدلیس کا بھی احتمال ہے۔

لہٰذا سعید بن ابی عروبہ کی یہ روایت ہمارے (احناف) کے خلاف حجت نہیں ہوسکتی۔

ارسال

نیز سعید بن ابی عروبہ ارسال بھی کرتے ہیں چنانچہ تہذیب میں ہے:

"عن یحیی کان یرسل" (ج ۴ ص۶۴) کہ امام یحیٰی نے کہا کہ سعید بن ابی عروبہ ارسال بھی کرتے تھے۔

ارسال اس بات کا نام ہے کہ تابعی یوں کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسمیں احتمال ہوتا ہے کہ اس نے کسی ایسے تابعی سے روایت سُنی ہو جو ثقہ نہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں اسکی روایت حجت نہ ہوگی۔

ایک سوال اور اُس کا جواب

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ بہ اتفاق محدثین سعید بن عروبہ کی وہ روایات جو زمانۂ اختلاط سے قبل کی ہیں معتبر اور حجت ہیں؟

اور اسکے جن شاگردوں نے اس سے زمانۂ اختلاط سے قبل سماع کیا ان میں سے یزید بن زریع بھی ہیں جیساکہ امام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۶۵ پر رقم فرمایا ہے۔ اسی کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یزید بن زریع امام بیہقی والی روایت کی سند میں ہے جس میں " ابو المثنیٰ " راوی ہے جس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ ایک مجہول راوی ہے۔ اس لئے امام بیہقی والی سند بھی ضعیف ہے۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ والی روایت میں یزید بن زریع کی بجائے "معاذ بن معاذ" ہے اور معاذ بن معاذ کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جنہوں نے سعید بن ابی عروبہ سے زمانۂ اختلاط سے قبل سماع کیا۔

نیز اسکی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ معاذ بن معاذ کی پیدائش سنہ ۱۱۹ھ کو ہوئی۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۵ اور سعید بن ابی عروبہ مرض اختلاط میں سنہ ۱۳۳ھ سے مبتلا ہو گئے اس وقت معاذ بن معاذ کی عمر ۱۳، ۱۴ برس کی تھی۔ اور ۱۳، ۱۴ سال کی عمر سے قبل ان سے سماع متوقع نہیں ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ سعید بن ابی عروبہ تدلیس کرتے تھے۔ اور ہم بزار کے حوالہ سے ابھی لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ سعید بن عروبہ جب تک " سمعت " یا " حدثنا " کے لفظوں سے روایت نہ کریں اسوقت تک ان کی روایت میں تدلیس کا اندیشہ رہے گا۔ اور زیر بحث روایت چونکہ " عن " کے لفظ کے ساتھ ہے۔ سمعت اور حدثنا سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں بھی تدلیس کا احتمال و اندیشہ موجود ہے لہٰذا یہ روایت مقبول نہیں ہے چنانچہ امام العرب والعجم اعانۃ الرسول فی الہند ایمان والوں کی آنکھوں ٹھنڈک شیخ محقق سیدنا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہ مقدمۂ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

" وعنعنۃ المدلس غیر مقبول" (ص۵) کہ مدلس راوی کا عن کے ساتھ روایت

لہٰذا محدثین کے اصول کے مطابق جناب اثری صاحب کی یہ دلیل بھی حجت نہ رہی۔

اپنے دام میں صیاد :- آخر میں ہم خود جناب اثری صاحب کے ہم فکر وہابی مکتب فکر کے آرگن "الاعتصام" ہی کا ایک حوالہ پیش کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ سعید بن ابی عروبہ اختلاط کرتا تھا اسلئے اسکی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

چنانچہ اسمیں سید حامد عبدالرحمٰن الکاف کا "سود کے بارے میں دو مشہور حدیثوں کی تحقیق" کے عنوان سے مضمون شائع ہوا۔ وہ اسمیں مسند امام احمد کی ایک حدیث، جسمیں سعید بن ابی عروبہ ہیں پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" اسکی سند صحیح ہے اور رجال قابل بھروسہ ہیں مگر سعید جو ابن عروبہ ہے وہ اپنی آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوگیا تھا (الیٰ ان قال) جسکی وجہ سے روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی۔"

(ہفت روزہ" الاعتصام ۲۷، دسمبر ۱۹۹۱ء صہ ۱۳)

سہ الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
خود آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اب تو جناب اثری صاحب کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ آپ کے اپنے اسی ہفت روزہ میں فیصلہ کرچکے ہیں کہ جس روایت کی سند میں سعید بن ابی عروبہ ہو وہ روایت ساقط الاعتبار ہے کیونکہ وہ آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہوگیا تھا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ ابن ابی عروبہ کی روایت اسوقت حجت ہوگی جب اس سے اس کے وہ شاگرد روایت کریں جنہوں نے اختلاط سے قبل سماع، روایت کیا اور اس روایت کو ابن ابی عروبہ نے "سمعت" یا "حدثنا" کے الفاظ سے روایت کیا ہو۔

الحمد للہ! یہ بات قطعاً مسلم و محقق ہو گئی کہ جناب اثری صاحب نے مسئلہ رفع یدین کے سلسلہ میں راقم کے مضمون پر تنقید کرتے ہوئے بیہقی اور ابن ابی شیبہ کے حوالوں سے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی جو مقطوع حدیث بطور حجت پیش کی تھی وہ ناقابلِ حجت اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

ایک اُصولی بات آخر میں ہم ایک اُصولی بات عرض کر دیں جو ہم رفع یدین کی بحث میں پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ جن صحیح روایات سے صحابہ کرام کا رفع یدین کرنا ثابت ہے وہ ہمیں ہرگز مُضر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اثری صاحب کے دعویٰ کی یقینی دلیل قرار پاتی ہیں کیونکہ وہ سب کی سب تاویل کا احتمال رکھتی ہیں اور ان سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رفع یدین کرتے تھے اور یہ بات ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ یہ یا تو شروع کی بات ہے جب رفع یدین کرنے سے منع نہیں کیا گیا تھا یا منع کے بعد ان صحابہ کرام کی بات ہو گی جنہیں رفع یدین کی منسوخیت یا ممنوعیت کی خبر نہیں پہنچی تھی۔

ہم رفع یدین کے مطلق ثبوت کا تو انکار ہی نہیں کرتے بلکہ ہم ثبوت رفع یدین کے بعد اسکی ممنوعیت و منسوخیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اثری صاحب دونوں باتوں کے درمیان فرق کو یا تو سمجھے ہی نہیں یا سمجھ کر دیدہ و دانستہ غلط مبحث فرما رہے ہیں جو ایک علم و دانش کے دعویٰ دار کو زیب نہیں دیتا ہے

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب ہے

مسئلہ رفع یدین پر اعتراضات کے جوابات

اثری صاحب کے دوسرے اعتراض کا ابطال

مسئلہ رفع یدین کے سلسلہ میں اثری صاحب نے جو دوسرا اعتراض کیا اب ہم اس کا مدلل ابطال کرتے ہیں۔

جناب اثری صاحب لکھتے ہیں:

"یہی بات ایک اور جلیل القدر تابعی حضرت حمید بن ہلال نے کہی ہے اور امام بخاری نے فرمایا ہے کہ "فلم یستثن الحسن وحمید بن هلال احدا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

(ہفت روزہ الاعتصام ۸ جنوری ۱۹۹۳ء ص ۱۲)

جناب اثری صاحب نے جلیل القدر تابعی حضرت حمید بن ہلال اور حضرت حسن بصری کی یہ بات جو امام بخاری کے حوالہ سے نقل کی ہے اُسے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ "جزء رفع الیدین" میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جناب اثری صاحب نے تو اسکی سند ذکر نہیں کی لیکن ہم سندوں کے ساتھ امام بخاری کی عبارتیں نقل کر دیتے ہیں۔ پھر ان سندوں کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کریں گے تاکہ قارئین کرام کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کے مقابلے میں اثری صاحب کے اعتراضات کمزور

کے جانے سے بھی بڑھکر کمزور اور بے وقعت ہیں۔ امام بخاری اپنی جزء رفع یدین میں دو حدیثیں لاتے ہیں حدیث نمبر ۲۹ اور اسکے بعد حدیث نمبر ۳۰ ۔ ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۲۹ :

(۲۹) لقد حدثنی مسدد قال حدثنا یزید بن زریع عن سعید عن قتادہ عن الحسن قال کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کأنما ایدیھم المراوح یرفعونھا اذا رکعوا واذا رفعوا رؤسھم

(صفحہ ۲۳)

البتہ مجھے مسدد نے بتایا (انہوں نے کہا کہ ہمیں یزید بن زریع سعید سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حسن سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے گویا ان کے ہاتھ پنکھے ہیں وہ انہیں اوپر اٹھاتے جب رکوع کرتے اور جب وہ اپنے سروں کو (رکوع سے) اوپر اٹھاتے۔

اسکے بعد امام بخاری حدیث نمبر ۳۰ لاتے ہیں :

(۳۰) حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل ثنا ابو ھلال عن حمید بن ھلال قال کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلوا کان ایدیھم حیال اذانھم کانھا المراوح۔

(ص ۲۳، ۲۴)

ہمیں موسیٰ بن اسمٰعیل نے بتایا (انہوں نے کہا کہ) ہمیں ابو ہلال نے حمید بن ہلال سے روایت کرکے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب نماز پڑھتے ان کے ہاتھ ان کے کانوں کے برابر ہوتے گویا وہ پنکھے ہیں۔

اس کے بعد امام بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

فلم یستثن الحسن وحمید بن ھلال احدا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم دون احد۔

کہ حضرت امام حسن بصری اور امام حمید بن ہلال نے کسی صحابی کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

تنقید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ سر آنکھوں پر اور ان کا احترام اپنی جگہ مسلم مگر حضرت کی پیش کردہ دونوں روایتیں سند کے لحاظ سے ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں پہلی روایت تو سعید کی وجہ سے۔ کیونکہ یہ وہی سعید ہیں جنہیں ابن ابی عروبہ کہتے ہیں۔ جن کا ذکر ہم پہلی قسط میں بڑی تفصیل سے کر چکے ہیں لہٰذا یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

ابو ہلال راوی دوسری روایت بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اسمیں "ابو ھلال" راوی ضعیف ہے۔ اس کا نام محمد بن سلیم اور کنیت ابو ہلال ہے اگرچہ بعض نے اسے ثقہ بھی کہا ہے تاہم بہت سے ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ ابو ہلال کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ

قال عمرو بن علی کان یحیی لا یحدث عنه (وقال ایضاً) سمعت یزید بن زریع یقول عدلت عن ابی بکر الهذلی وابی هلال الراسبی عمدا وقال ابن ابی حاتم ادخله البخاری فی الضعفاء وقال النسائی لیس بالقوی وقال احمد بن حنبل هو مضطرب الحدیث وقال البزار وهو غیر حافظ۔

امام عمرو بن علی اس سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے (اسے اس قابل نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ) میں نے یزید بن زریع سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جان بوجھ کر ابو بکر ہذلی اور ابو ہلال راسبی (کی روایات) سے اعراض کیا اور امام ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ اسے امام بخاری نے ضعیف راویوں میں داخل کیا۔ اور امام نسائی نے فرمایا کہ ابو ہلال قوی نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ وہ مضطرب

(تہذیب التہذیب (ملخصاً) ج ۹ صـ۱۹۵، ۱۹۶)

المحدث ہے اور امام بزار نے کہا کہ وہ حدیثوں کی حافظت کرنے والا نہیں ہے۔

امام محمد بن سعد علیہ الرحمۃ طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ

اسمہ محمد بن سلیم وکان اعمی وفیہ ضعف۔

اس کا نام محمد بن سلیم ہے اور وہ نابینا تھے اور ان میں ضعف ہے۔

(طبقات کبریٰ ج ۷ صـ۲۷)

امام حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ الکامل فی الضعفاء الرجال میں فرماتے ہیں کہ :

کان یحیی بن سعید لا یعبأ بابی هلال۔ (ج ۶ صـ۲۱۴۳)

امام یحیی بن سعید ابو ہلال کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

اسی طرح امام حافظ ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی المکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۲۲ھ اپنی کتاب "الضعفاء الکبیر" میں لکھتے ہیں کہ

حدثنی آدم قال سمعت البخاری : قال کان یحیی بن سعید لا یروی عن ابی هلال الراسبی الخ

(الضعفاء الکبیر ج ۴ صـ۷۷)

مجھ سے آدم نے بیان کیا کہ میں نے امام بخاری سے سنا کہ امام یحیی بن سعید ابو ہلال راسبی سے روایت نہیں کرتے تھے۔

الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ جن دو روایتوں کی روشنی میں قرار دیتے ہیں کہ حسن اور حمید بن ہلال نے رفع یدین کے مسئلہ میں کسی صحابی کا استثناء نہیں کیا۔ دونوں ضعیف و ناقابل احتجاج و ناقابل استدلال ہیں اسلئے جناب اثری صاحب کی یہ دوسری دلیل بھی قابل التفات قرار نہ پائی۔ اور ان کا دعویٰ کہ اکثر صحابہ

رفع یدین کرتے تھے اور یہ اسکی احادیث متواتر ہیں، اپنی دونوں شقوں سمیت باطل ٹھیرا۔

اثری صاحب کا تیسرا اعتراض اور اس کا مدلل جواب:

اثری صاحب نے تیسرا اعتراض کرتے ہوئے امام ابن حجر کی تلخیص الحبیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ایک اور تابعی" ابو حازم سلمہ بن دینار الاعرج بھی فرماتے ہیں کہ "ادرکت الناس کلھم یرفع یدیہ" میں نے لوگوں کو دیکھا وہ سب کے سب رفع یدین کرتے تھے۔

(ہفت روزہ الاعتصام ۸ جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۲)

امام ابن حجر علیہ الرحمۃ نے امام ابو حازم سلمہ بن دینار الاعرج کا یہ قول تاریخ ابن عساکر کے حوالہ سے سند کے بغیر لکھا ہے۔ اور جو بات سند کے بغیر کہی جائے وہ اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں رکھتی جب تک کہ اسکی سند پیش نہ کی جائے۔ امام ابن عساکر کی شخصیت اپنی جگہ مسلم لیکن فقہ کے متنازعہ مسائل و احکام میں ان کی نقل کردہ روایت کی سند کا مطالعہ کرنا اور اس سند کی تحقیق و تفتیش کرنا دوسرے فریق کا حق مسلم ہے۔

تلخیص الحبیر

لیکن کتاب تلخیص الحبیر امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی ان کتابوں میں سے ایک ہے جنہیں آپ نے پوری تحقیق سے نہیں لکھا اور جن پر آپ نظر ثانی نہ کر سکے اور اس لئے وہ اپنی ان کتابوں سے راضی بھی نہ تھے چنانچہ امام صاحب کی کتاب "ہدی الساری مقدمہ فتح الباری" کے پہلے صفحہ پر تحریر ہے کہ

قال السخاوی فی الضوء اللامع   امام سخاوی نے اپنی کتاب "الضوء اللامع"

فی ترجمة الحافظ ابن حجر	کے اندر امام حافظ ابن حجر کے ترجمہ میں فرمایا
مالفظہ " وسمعتہ یقول	جس کے الفاظ ہیں " اور میں نے امام ابن
لست راضیاعن شیٔ من	حجر کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میں شرح
تصانیفی لانی عملتھا فی	بخاری و مقدمہ شرح بخاری و مشتبہ و
ابتداء الامر ثم لم یتھیأ لی	تہذیب التہذیب اور لسان المیزان
من تحریرھا سوی شرح البخاری	کے سوی اپنی کسی تصنیف سے خوش نہیں
ومقدمتہ والمشتبہ والتہذیب	ہوں کیونکہ وہ میں نے اپنے ابتدائی دور
ولسان المیزان الخ	میں لکھیں پھر مجھے ان پر نظر ثانی کر کے
	انہیں دوبارہ لکھنے کا موقع نہ ملا۔

امام ابن حجر عسقلانی اپنی پانچ کتابوں کے سوا کسی بھی کتاب سے خُوش نہیں تھے۔ ان میں سے ایک تلخیص الحبیر بھی ہے جس کا حوالہ اثری صاحب نے دیا ہے اس لئے اثری صاحب کا اسکے حوالے سے مسئلہ رفع یدین پر تنقید کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور ویسے بھی سب لوگوں کو دیکھنے کا دعویٰ عقل کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا یہ روایت حجت نہیں ہے۔

اثری صاحب کا چوتھا اعتراض اور اس کا جواب

اثری صاحب کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ " امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ جس صحابی سے بھی ترک رفع یدین منقول ہے اس سے رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے ان (ابن عبد البر) کے الفاظ ہیں:

" لم یروعن احد من الصحابة ترك الرفع ممن لم یختلف عنه فیه الا ابن مسعود "

(التمہید ص ۲۱۹، ص ۲۱۶ ج ۹)

لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ جن صحابہ کرام کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ان سے رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے ۔"

(ہفت روزہ الاعتصام ۸ جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۲)

جناب اثری صاحب کے اس اعتراض سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہو گئیں۔

(۱) ایک یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ترک رفع یدین ہی منقول ہے یعنی وہ رکوع کا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(۲) دوم یہ کہ ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے رفع یدین منقول ہے۔

(۳) سوم یہ کہ جن دیگر صحابہ کرام سے رفع یدین منقول ہے ان سے ترک رفع یدین بھی منقول ہے۔

(۴) چہارم یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ سے رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں۔

اثری صاحب کی دیانتداری

یہاں جناب اثری صاحب کی دیانتداری بھی قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ جناب والا نے امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ کی تمہید کے صفحہ ۲۱۶ کا جو حوالہ دیا ہے جس میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا جس صحابی سے بھی ترک رفع یدین منقول ہے اس سے رفع یدین بھی ثابت ہے۔ جناب اثری صاحب نے تمہید کی آگے کی یہ عبارت چھوڑ دی۔

" وروی الکوفیون عن علی رضی اللہ عنہ مثل ذلک "

(تمہید ج ۹ ص ۲۱۶)

کہ کوفہ کے محدثین و فقہاء نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح کا عمل (ترک رفع) روایت کیا۔ مطلب یہ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کے علاوہ جس صحابی سے بھی رفع یدین منقول ہے، اس سے رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے۔ لیکن لگتا ہے جناب اثری صاحب کوفہ کے محدثین وفقہاء سے اسقدر ناراض ہیں کہ ان کی روایت کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں فرمایا حالانکہ امام ابن عبد البر نے ان کی روایت کا ذکر فرمایا ہے مگر اثری صاحب دیدہ دانستہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حوالہ چھوڑ گئے۔ جو اہل علم کی شان دیانت کے منافی ہے۔

ابن عبد البر کے حوالہ سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا جس صحابی سے بھی رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے اس سے رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے۔

عقلی فیصلہ اس کے بعد یہ بات فیصلہ طلب ہے کہ ان دو باتوں میں سے پہلے کونسی بات ہے یا ان دو عملوں میں سے پہلا عمل کون سا ہے اور پچھلا عمل کون سا؟ یعنی عقل و قیاس کا تقاضا کیا ہے کہ رفع یدین کرنا پہلا عمل ہے اور رفع یدین نہ کرنا پچھلا؟ یا اس کے برعکس رفع یدین نہ کرنا پہلا اور اور کرنا پچھلا؟

جہاں تک عقل و قیاس کا تقاضا ہے اس کی رو سے یہی بات صحیح قرار پاتی ہے کہ رفع یدین کرنا پہلا عمل ہے اور نہ کرنا پچھلا عمل ہے۔

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رفع یدین کا عمل کرتے تھے بعد میں اُسے چھوڑ دیا۔ لیکن یہ بات قیاس کے مطابق یا عقل کی روشنی میں صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ صحابہ کرام شروع میں رفع یدین نہ کرتے ہوں اور بعد میں کرتے ہوں

اور بعد میں کرنے لگ گئے ہوں کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کرنا شروع کر دیتے۔ علاوہ ازیں اس کا قائل بھی کوئی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں امام ابن عبد البر کے قول کا یہ مطلب لینا بھی درست نہیں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی کے سوا کسی نے بھی رفع یدین کا عمل ترک نہیں کیا کیونکہ ہم اپنے رسالہ رفع یدین نمبر میں دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ صحابہ میں سے حضرت براء بن عازب و حضرت عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اگر ان کے قول کا یہی مطلب ہے تو ہم اسے حقیقت نہیں سمجھتے۔

رفع یدین کے بارے میں مختلف آراء

امام حافظ ابن عربی مالکی م ۵۴۳ھ علیہ الرحمۃ اپنی کتاب عارضۃ الاحوذی میں رفع یدین کے بارہ میں مختلف آراء نقل کرتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ شروع سے لیکر آخر تک نماز میں کوئی رفع یدین نہیں ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ صرف تکبیر احرام میں رفع یدین ہے پھر نہیں ہے۔ جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور بصریوں کی مشہور روایت میں بھی یہی موقف ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ تکبیر احرام کے علاوہ تکبیر رکوع میں بھی رفع یدین ہے۔

(۴) چوتھی رائے یہ ہے کہ تکبیر احرام، تکبیر رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کریں گے، یہ امام شافعی اور ایک روایت میں امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ تیسری رکعت کی ابتداء میں بھی رفع یدین ہے۔

(عارضۃ الاحوذی شرح صحیح الترمذی ج ۲ ص ۵۸)

(۶) امام طاؤس غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور امام ایوب السختیانی تو دو سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کرتے تھے۔ (تمہید ج ۹ ص ۲۲۴)

اور جیسا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے طور پر روایت کیا۔ (بیہقی جز ۲ صفحہ ۷۱، ۷۲)

اور امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ تمہید میں فرماتے ہیں کہ رفع یدین کے بارے میں ایک موقف یہ ہے کہ یہ نماز کی زینت ہے (یعنی افضل ہے) ارکان نماز سے نہیں یعنی فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ محض مستحب ہے) اور امام اوزاعی اور امام حمیدی رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ (یہ فرض ہے یا واجب ہے۔ تو جس نے رفع یدین نہ کی اسکی نماز فاسد ہے (فرض کی صورت میں) یا ناقص ہے (واجب ہونے کی صورت میں) اور بعض کا خیال ہے کہ ترک رفع یدین سے اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے اور یہ ہمارے (مالکیہ کے) نزدیک صحیح رائے نہیں ہے کیونکہ اعادہ کو واجب کرنا اسے فرض (عملی) قرار دینا ہے)

(تمہید ج ۹ صفحہ ۲۲۶)

(۵) پانچویں دلیل جناب اثری صاحب نے مسئلہ رفع یدین پر اعتراض کرتے ہوئے پانچویں دلیل یہ دی ہے کہ امام اوزاعی جو شام کے مشہور فقیہ و محدث اور جلیل القدر اتباع التابعین میں شمار ہوتے ہیں فرماتے ہیں (ترجمہ)

"ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اہل کوفہ کے علاوہ حجاز و بصرہ اور شام کے علماء کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے ابتداء میں رکوع جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوتے رفع یدین کرتے تھے"۔

(تمہید ج ۹ صفحہ ۲۲۶، وغیرہ)

اثری صاحب کی ایک اور دیانتداری قارئین یہاں جناب اثری

کی ایک اور دیانتداری بھی ملاحظہ فرمائیں کہ موصوف نے تمہید میں سے امام اوزاعی کی عبارت کا وہ حصّہ تو نقل فرمایا جو ان کے مفید مطلب تھا اور وہ حصّہ چھوڑ دیا جو ان کے خلاف جاتا تھا۔ ابھی ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں کہ امام اوزاعی کا رفع یدین کے بارے میں جو موقف ہے وہ وہابی (اہلحدیث کہلانے والے) حضرات کے برعکس ہے کہ اُن کے نزدیک رَفع یدین زیادہ سے زیادہ سنت ہے مگر امام اوزاعی علیہ الرحمۃ جن کا حوالہ اثری صاحب ہمارے خلاف پیش فرما رہے ہیں، (اہلحدیث کہلانیوالے) وہابی حضرات کے بھی خلاف موقف رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک رفع یدین واجب ہے نہ کرنے والے کی نماز واجب الاعادہ چنانچہ تمہید میں اثری کی پیش کردہ عبارت سے آگے یہ عبارت ہے جسے اثری صاحب اپنے خلاف سمجھکر چھوڑ گئے۔

قیل للاوزاعی، فان نقص من ذٰلك شیئا؟ قال ذٰلك نقص من صلوٰته۔ — امام اوزاعی سے سوال ہوا کہ اگر کسی نے اس میں سے کچھ کم کیا؟ فرمایا وہ اسکی نماز کا نقصان ہوگا۔

(تمہید ج ۹ ص۲۳۶)

امام ابن عبدالبر نے تمہید کے صفحہ ۲۲۵ پر صراحت کردی ہے کہ امام اوزاعی وامام حمیدی کے نزدیک ترک رَفع یدین سے نماز یا تو فاسد ہوجاتی ہے یا ناقص۔ لیکن اثری صاحب نے امام اوزاعی کا حوالہ پیش کرکے قارئین کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ امام اوزاعی کا بھی یہی موقف ہے جبکہ امام اوزاعی کا موقف اثری صاحب اور اُن کے ہم مسلک حضرات کے موقف سے مختلف ہے۔ لہٰذا اثری صاحب کو ان کے حوالہ کے پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

اور خود امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ امام اوزاعی اور امام حمیدی رحمہما اللہ کے موقف کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والفرائض لا تثبت الا بحجة اوسنة لا معارض لها او اجماع من الامة۔

اور فرائض تو دلیل قطعی یا ایسی سُنت سے ثابت ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل نہ ہو یا امت کے اجماع سے۔

(التمہید ج ۹ ص ۲۲۶)

یعنی رفع یدین کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اسکی کوئی دلیل قطعی ہو اور نہ ہی یہ کسی ایسی حدیث صحیح سے ثابت ہے جس کے مقابلے میں کوئی حدیث صحیح نہ ہو اور نہ ہی یہ اجماع امت سے ثابت ہے۔

اور امام عبدالبر کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوگیا کہ ان کے نزدیک رفع یدین ایسی سُنت ہے کہ اس کے مقابلہ میں عدم رفع یدین کی سُنت بھی موجود ہے ایسی صورت میں یہ واجب نہیں قرار پاسکتا۔ اسکے بعد فرماتے ہیں:

ومما یدل علی ان رفع الیدین لیس بواجب ما اخبر به الحسن عن الصحابة ان من رفع منهم لم یعب علی من ترکه۔

(التمہید ج ۹ ص ۲۲۶)

اور رفع یدین کے واجب نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک حسن بصری کی وہ روایت ہے جو انہوں نے صحابہ سے نقل کی کہ رفع کرنے والے صحابہ کرام رفع یدین نہ کرنے والے صحابہ پہ کوئی تنقید نہیں کرتے تھے۔

امام ابن عبدالبر کی اس عبارت سے بھی واضح ہوگیا کہ رفع یدین نہ کرنیوالے صرف اکیلے حضرت ابن مسعود نہ تھے (اگر وہ ہی اکیلے رفع یدین نہ کرتے اور باقی سب صحابہ کرتے تو یہ ایک عجیب سی بات ہوتی جو یقیناً قابل تنقید ہوتی) بلکہ ان کے ساتھ کئی اور صحابہ بھی تھے جو رفع یدین نہیں کرتے تھے گویا دونوں طرف سے متعدد صحابہ تھے۔

نیز امام ابن عبد البر حضرت وائل بن حجر کی اس حدیث کو جس میں رفع یدین کا ذکر ہے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

قال محمد بن جحادہ فذکرت ذلک للحسن بن ابی الحسن فقال هي صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فعله من فعله وترکه من ترکه فهذا الحدیث دلیل علی ان منهم من ترکه ولم یعب علیه من فعله واللہ اعلم۔

(التمہید ج ۹ ص ۲۲۲)

امام محمد بن جحادہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے (رکوع و سجود میں) رفع یدین کا حسن بن ابی الحسن سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے اس رفع یدین کے عمل کو اختیار کیا جس نے کیا اور اُسے چھوڑ دیا جس نے چھوڑ دیا۔ پس اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کچھ صحابہ رفع یدین کے عمل کو چھوڑ دیا اور انہوں نے رفع یدین کرنے والوں پر کوئی طعن و تشنیع نہ کی۔ واللہ اعلم۔

امام ابن عبد البر کے اس حوالہ سے واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں صرف ایک عبد اللہ بن مسعود یا حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ہی رفع یدین ترک نہیں کر دیا تھا بلکہ ایک جماعت نے ترک کر دیا تھا اور ایک جماعت نے ترک نہیں کیا تھا، کیونکہ امام ابن عبد البر کی عبارت جو انہوں نے حسن بن ابی الحسن کے حوالہ سے نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ غور طلب ہیں " فعله من فعله وترکه من ترکه " کہ اسے کیا جنہوں نے کیا اور اسے چھوڑ دیا جنہوں نے چھوڑ دیا، لفظ " من " عام معنوی ہے، یعنی رفع یدین کرنے اور نہ کرنے والے بکثرت تھے۔ اور ساتھ ہی امام ابن عبد البر کا یہ ارشاد بھی غور طلب ہے کہ رفع یدین کرنے والے نہ کرنے والوں پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ اگر ترکِ رفع یدین سنت سے ثابت نہ ہوتا تو رفع یدین کرنے

والے ترک کرنے والوں پر ضرور اعتراض کرتے کہ سُنّت کا ترک صحابہ کرام کو کیسے گوارا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ترکِ رفع یدین بھی سُنّت سے ثابت ہے اسی لئے امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ نے رفع یدین کو فرض یا واجب ٹھیرانے والوں کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ

والفرائض لا تثبت الا بحجة او سنة لا معارض لها او اجماع من الامة (التمہید ج ۹ ص ۲۲۶)	فرائض دلیل قطعی سے یا ایسی سنت سے ہی ثابت ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں دیل (سُنّت) نہ ہو (کیونکہ سُنّت کا مقابل و معارض سُنّت ہی ہے) یا اجماع اُمت سے۔

معلوم ہوا کہ ترکِ رفع یدین سُنّت سے ثابت ہے ورنہ اس پر صحابہ کرام ضرور اعتراض کرتے اور یہ کہ سُنّت کا معارض سنت ہی ہو سکتی ہے اس سے کم نہیں ہو سکتی چنانچہ فن مناظرہ سے واقف علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ معارضین کے لئے مساوی ہونا ضروری ہے تو سُنّت کا معارض کم از کم سنت ہی ہو سکتا ہے تو امام ابن ابن عبدالبر کے کلام سے ثابت ہوا کہ رفع یدین کی (ولیا) سُنّت کا معارض بھی ترک رفع یدین کی سُنّت ہے ———— اور ترکِ رفع یدین اگر سُنّت سے ثابت نہ ہوتا تو صحابہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے توقع نہیں کہ ان کے سامنے ایک شخص سُنّت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علانیہ ترک کرے اور وہ اس پر خاموش رہیں اور اس پر اعتراض تک نہ کریں۔

جب دونوں باتیں سُنّت سے ثابت ہوئیں تو ان میں سے کسی ایک ہی کو سُنّت نہیں قرار دیا جا سکتا جیسا کہ امام حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ

" والسنن لا تثبت اذا تعارضت وتدافعت "	سنتوں میں جب تعارض اور تناقض پایا جائے تو اس وقت سنتیں ثابت

(التمہید ج ۹ صفحہ ۲۲۶) نہیں ہوتیں ۔

چونکہ رفع الیدین کی سنت کے مقابلہ میں ترک رفع یدین کی سنت موجود اور ثابت ہے لہٰذا اب صرف رفع یدین کو سنت کے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ جب امام اعظم ابو حنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان دارالحناطین مکہ مکرمہ میں رفع یدین کے بارے میں مناظرہ ہوا تو امام اوزاعی نے اپنی سند کے ذریعے رفع یدین کا ثبوت پیش کیا اور امام ابو حنیفہ نے جواب میں اپنی سند سے ترک رفع یدین کا ثبوت پیش کیا تو امام اوزاعی نے اپنی سند کے علو کی بات کی تو امام ابو حنیفہ نے اپنی سند کے راویوں کا امام اوزاعی کی سند کے راویوں کی نسبت زیادہ فقیہ ہونا ثابت کیا تو امام اوزاعی لاجواب ہو گئے اور خاموشی اختیار فرمائی (مسند امام ابی حنیفہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳ جامع المسانید ج ۱ صفحہ ۳۵۲ و شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۵۹)

معلوم ہوا کہ سنت سے دونوں باتیں ثابت ہیں رفع یدین بھی اور ترک رفع یدین بھی ۔ جس کی احناف کے ہاں توجیہ و تطبیق یوں کی گئی ہے کہ رفع یدین پہلے ہوا کرتا تھا بعد میں منع کر دیا گیا کہ اسے ترک کر دیا گیا لیکن جنہیں ممانعت کا علم نہ ہوا انہوں نے اسے جاری رکھا یوں صحابہ کرام کے اور ان کے بعد تابعین و اتباع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دو گروہ ہو گئے ۔ گویا ایک گروہ کے نزدیک رفع یدین سنت منسوخ قرار پائی اور دوسرے گروہ کے نزدیک سنت ثابتہ ۔

اثری صاحب کا چھٹا اعتراض

جناب اثری صاحب کا چھٹا اعتراض یہ ہے کہ "امام اوزاعی جو شام کے مشہور فقیہ، محدث اور جلیل القدر اتباع التابعین میں شمار ہوتے ہیں فرماتے ہیں :

(ترجمہ) "ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اہل کوفہ کے علاوہ حجاز، بصرہ اور شام

کے عُلماء کا اجماع ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نماز کے ابتداء میں رکوع جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے۔" (الاعتصام ۸ جنوری ۹۲ بشرہ صد ۱۲)

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے ہمیں اسکی سند کچھ مشکوک لگتی ہے کیونکہ امام ابن عبدالبر نے اسے وثوق و اعتماد کے صیغہ سے نقل نہیں کیا۔ بلکہ فرماتے ہیں: "و ذکر الطبری" کہ امام طبری نے ذکر کیا اسکے بعد جو سند بیان کی گئی ہے انمیں عباس بن ولید راوی ہیں جو اپنے باپ ولید بن یزید سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام اوزاعی سے۔ ہمیں اسماء رجال کی کتابوں میں عباس بن ولید بن یزید اور ولید بن یزید کے مفصل حالات نہیں ملے اس لئے ہم اس سند پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے البتہ بہ فرض صحت سند ہمیں تسلیم کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نماز کی ابتداء میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے رفع یدین فرماتے تھے ہم نے اس کا انکار نہیں کیا لیکن اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی یہ سُنّت بعد میں قائم و دائم بھی رہی یا متروک ہو گئی؟ ہمارا دعوٰی ہے کہ یہ سُنّت بعد میں متروک ہو گئی تھی چنانچہ ہم امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ کی اسی تمہید کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت پھر ان کے بعد تابعین پھر اتباع تابعین کی جماعتوں نے رفع یدین ترک کر دیا اور صحابہ میں سے خصوصاً سیدنا ابوبکر صدیق و عمر فاروق و علی مرتضیٰ و براء بن عازب عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر اکابر صحابہ نے ترک کر دیا اگر رفع یدین کی سُنّت متروک و مہجور نہ ہو چکی ہوتی کیسے ترک کر سکتے تھے۔

امام ابن حزم کا تسلیم کرنا کہ ترک رفع صحیح ہے

حتیٰ کہ امام حافظ

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب المحلیٰ میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع یدین ترک فرمانا صحیح سند سے ثابت ہے۔ اسلئے وہ (ابن حزم اور ان کے اہل مسلک) رفع یدین کو واجب قرار نہیں دیتے فرماتے ہیں کہ

قد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ عند کل خفض و رفع وانہ کان لا یرفع۔

بے شک یہ بات درجۂ صحت کو پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک کو جھکاتے اور اوپر کو اٹھاتے رفع یدین کرتے تھے اور نہیں بھی کرتے تھے۔

(المحلی ج ۴ ص ۲۳۵)

امام ابن حزم ظاہری جو کسی تاویل و توجیہ کے بغیر محض ظاہر نصوص پر عمل کرنے کا شوق رکھتے ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع یدین کو ترک کرنا بھی صحیح ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حافظ سفیان ابن عیینہ رحمہ اللہ متوفی ۱۹۸ھ جو امام اعمش و امام سفیان ثوری و امام ابن المبارک و امام وکیع و امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے بھی استاذ ہیں۔ جن کے بارے میں امام ابن وہب فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن عیینہ سے بڑھ کر اللہ کی کتاب کا عالم نہیں دیکھا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے جس قدر علم کی عظمت و جلالت امام ابن عیینہ میں دیکھی اور کسی میں نہیں دیکھی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے فقہاء (مجتہدین) میں سے امام ابن عیینہ سے بڑھ کر قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا عالم نہیں دیکھا اور امام ابن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ

"کان اعلم الناس بحدیث اهل الحجاز۔"

اہل حجاز کی حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔

اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ وہ مسلمانوں پر اللہ کی حجت تھے۔ اسی امام سفیان بن عیینہ جو اہل حجاز کی حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، کے بارے میں امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

وَكَانَ ابن عيينة ربما فعله ربما لم يفعله۔ (التمهيد ج ۹ ص ۲۲۶)

امام ابن عیینہ لبسا اوقات رفع یدین کرتے تھے اور لبسا اوقات نہیں کرتے تھے۔

قارئین! غور فرمائیں یہ امام جو اہل حجاز کی حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے اگر اہل حجاز کی حدیثوں میں رفع یدین متروک نہ ہوتا اور اہل حجاز نے رفع یدین ترک نہ کیا ہوتا تو ان کی حدیث کے سب سے بڑے عالم رفع یدین کیسے ترک کرتے۔ بحمدہ تعالیٰ ثابت ہوا کہ یہ دعویٰ درست نہیں کہ اہل کوفہ کے سوا کسی نے رفع یدین ترک نہیں کیا۔ بلکہ ثابت ہوا کہ اہل حجاز کے نزدیک بھی رفع یدین متروک تھا اسلئے ان کی حدیث کے سب سے بڑے عالم امام ابن عیینہ گاہے گاہے رفع یدین ترک فرما دیتے تھے اور گاہے گاہے کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ نے اسی کتاب میں تسلیم کیا کہ رفع یدین ضروری نہیں کیونکہ حضرت حسن نے صحابہ سے خبر دی ہے کہ

أن من رفع منهم لم يعب على من تركه (۲۲۶)

بے شک جو صحابہ رفع یدین کرتے تھے وہ رفع یدین نہ کرنے والوں پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔

ٹ ٹ ٹ

الان منهم من ترکه ولم یعب علی من فعله۔	بلاشبہ کچھ صحابہ نے رفع یدین چھوڑ دیا تھا وہ رفع یدین کرنے والوں پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔

(۲۲۷)

لیجئے بات واضح ہوگئی کہ رفع یدین کے مسئلہ میں صحابہ کرام کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک گروہ رفع یدین کرتا تھا اور ایک گروہ نہیں کرتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتے تھے تو اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ترک رفع یدین ثابت نہ ہوتا تو صحابہ اسے کیوں ترک کرتے اور دوسرے صحابہ ان پر کیونکر اعتراض نہ کرتے۔ لہٰذا اب یہ کہنے کی گنجائش نہ رہی اور نہ ہی یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے کہ اہل کوفہ کے سوا اہل حجاز وغیرہ کے اہل علم رفع یدین پر متفق تھے۔

امام ترمذی کی گواہی

علاوہ ازیں امام ترمذی علیہ الرحمۃ کی صحیح ترمذی دیکھ لیجئے آپ کو اس میں امام ترمذی کی یہ گواہی بھی مل جائے گی کہ

وبه یقول غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفہ۔	اور رفع یدین نہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایک صحابہ و تابعین کا مسلک ہے اور سفیان اور اہل کوفہ کا بھی۔

(صحیح الترمذی ج ۱ ص۳۵)

امام ترمذی نے واضح کر دیا کہ رفع یدین نہ کرنا صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف نہیں بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کئی ایک صحابہ اور تابعین کا بھی یہی مذہب ہے۔ پھر سفیان اور اہل کوفہ کا ذکر فرمایا کہ ان کا بھی یہی مسلک ہے۔

اثری صاحب کی غلطی

جناب اثری صاحب نے امام محمد بن نصر المروزی کے قول کا جو ترجمہ فرمایا وہ صحیح نہیں فرمایا بلکہ دیدہ دانستہ یا غلطی سے اس کا ترجمہ یا مفہوم کچھ کا کچھ بیان فرما دیا جو اہل علم ہونے کے دعویٰ دار کے شایان شان نہیں۔ ہم امام مروزی کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

لا نعلم مصرا من الامصار ینسب الی اھلہ العلم قدیما ترکوا باجماعھم رفع الیدین عند الخفض والرفع فی الصلوٰۃ الا اھل الکوفۃ۔	ہم قدیم سے شہروں میں سے کسی ایسے شہر کو جو اہل علم سے منسوب ہو نہیں جانتے جہاں کے تمام باشندوں نے نماز بہ اتفاق رفع یدین ترک کر دیا ہو سوائے کوفہ والوں کے

(التمہید ج ۹ ص ۲۱۳)

قارئین ذرا انصاف فرمائیں اور جناب اثری صاحب کے دیانت دارانہ ترجمہ اور حقیقی ترجمہ میں فرق ملاحظہ فرمائیں اور علماء اہلحدیث جس طریقہ سے دیانتداری و ایمانداری کا خون کرتے ہیں اس کا اندازہ بھی لگائیں۔ ہم نے اصل عبارت آپ کے سامنے رکھ کر اسکے سامنے اس کا ترجمہ صحیح صحیح دے دیا ہے۔ اس ترجمہ کو اور جناب اثری صاحب نے جو عبارت نقل کئے بغیر اس کا ترجمہ یا مفہوم بیان فرمایا ہے اسے غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ اور دیکھیں کہ دونوں میں کس قدر فرق ہے۔

اثری صاحب نے عبارت نقل کئے بغیر جو ترجمہ نقل کیا ہے اسے پھر ملاحظہ فرمائیں:

"یہی بات امام محمد بن نصر مروزی نے کہی ہے کہ "اہل کوفہ کے علاوہ تمام شہروں کے علماء کا اتفاق ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنی چاہیئے"

(ہفت روزہ الاعتصام ۸ جنوری ۱۹۹۳ء ص ۱۲)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہلِ کوفہ کے سوا تمام شہروں کے علماء (پورے عالمِ اسلام کے لوگ) رفع یدین کرتے تھے، اثری صاحب کے پیش کردہ ترجمہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ تمام عالمِ اسلام ایک طرف تھا اور کوفہ والے ایک طرف۔ اس کے بعد کون سا باشعور انسان ہوگا جو اہلِ کوفہ کو حق پر سمجھے گا اور پورے عالمِ اسلام کو غلطی پر۔ بلکہ اس کے برعکس ہر انسان اہلِ کوفہ کو ہی غلطی پر تصور کرے گا۔ جبکہ حقیقت کچھ اور ہے۔ اصل عبارت ہم نے نقل کر دی اور ترجمہ بھی سامنے کر دیا وہ یہ کہ امام مروزی فرماتے ہیں کہ "ہم قدیم سے کوفہ کے سوا کسی ایسے شہر کو نہیں جانتے جس کے علماء نے بہ اتفاق نماز میں رفع کرنا ترک کر دیا ہو۔ یعنی ان کے علم میں ایک کوفہ ہی ایسا شہر ہے جس کے تمام باشندہ علماء نے بہ اتفاق نماز میں رفع یدین چھوڑ دیا۔ گویا باقی شہروں کے تمام علماء نے نہیں چھوڑا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض نے تو چھوڑا مگر اہلِ کوفہ کی طرح سب نے اس کے چھوڑنے پر اجماع یا اتفاق نہیں کیا یعنی انہیں اختلاف رہا بعض نے رفع یدین چھوڑ دیا اور بعض نے نہ چھوڑا مگر اہلِ کوفہ میں اس کے ترک کرنے پر کسی نے اختلاف نہ کیا بلکہ سب نے اتفاق کر کے رفع یدین ترک کر دیا۔

نفی مقید میں نفی قید ہی کی ہوتی ہے

پھر اہلِ علم جانتے ہیں کہ جب مقید پر نفی آتی ہے تو وہ نفسِ شئی کی نفی نہیں ہوتی بلکہ قید کی نفی ہوتی ہے چنانچہ مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ

الظاھر رجوع النفی الی القید۔

یہ ظاہر روشن بات ہے کہ نفی کا رجوع قید کی طرف ہوتا ہے۔

(مسلم الثبوت ص۱۳۸ طبع دہلی)

یعنی یہ بات ظاہر اور روشن ہے کہ جب نفی مقید پر آتی ہے تو نفس شیٔ مقید کی نفی نہیں ہوتی بلکہ قید کی ہوتی ہے۔ امام مروزی کے کلام میں " لا نعلم مصرا من الامصار " کی نفی کا تعلق " ترکوا باجماعھم " کے ساتھ ہے یعنی ایسا ترک جو مقید ہے اجماع کے ساتھ اسکی نفی ہے نفس ترک کی نفی نہیں ہے۔

لہٰذا کلام مذکور کا مفاد یہ ہوا کہ اہل کوفہ کے سوا باقی شہروں کے علما نے ترک رفع پر اجماع نہیں کیا" جبکہ اثری صاحب کلام کی نفی کو اڑا گئے اور نفی کی جگہ مثبت انداز میں مفہوم بیان کر دیا کہ " اہل کوفہ کے سوا تمام شہروں کے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رفع یدین کرنی چاہیئے " لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اور کہاں یہ بات اور کہاں یہ کہ " ہم نہیں جانتے کہ اہل کوفہ کے سوا کسی شہر کے علماء نے ترک رفع پر اجماع کیا ہو " تو مروزی کے کلام میں ترک رفع پر اجماع کی نفی ہے مگر اثری صاحب اس کا ترجمہ اسکے برعکس " ایجاب رفع یدین پر اجماع کی صورت میں کر رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ، اور جو اس کلام کا صحیح ترجمہ ہے وہ درحقیقت ہمارے ہی موقف کی تائید کرتا ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ میں صحابہ و تابعین و اتباع تابعین میں اختلاف رہا ہے اگر اس کا ترک رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتا تو صحابہ اور ان کے بعد کے علماء میں اس پر اختلاف نہ ہوتا بلکہ ترک کرنے والے کی شناعت کی جاتی، یہی امام مروزی کے کلام کا مفہوم ہے جو ہمارے موقف کا مؤید ہے۔

اسی لئے جناب اثری صاحب نے امام مروزی کے کلام کی اصل عبارت کے نقل نہ کرنے میں اپنے مسلک کی عافیت سمجھی اور اس کا من گھڑت مفہوم نقل فرما کر قارئین کو مغالطہ دینے کی ناکام کوشش فرمائی ہے

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعاں

لہٰذا جناب اثری صاحب کا یہ دعویٰ غلط ٹھہرا کہ "کوفہ کے علاوہ باقی عالم اسلام میں اس پر عمل تھا۔ اگر جناب اثری صاحب کا یہ مطلب ہے کہ کوفہ کے تمام باقی عالم اسلام کے تمام علماء بہ اتفاق و اجماع رفع یدین کرتے تھے تو یہ قطعاً غلط ہے ابھی ہم دیگر حوالوں کے علاوہ امام ترمذی کے حوالہ سے بھی ثابت کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رفع یدین ترک کر دیا تھا۔ اور اگر اثری صاحب کا یہ مطلب ہے کہ کوفہ کے سوا باقی عالم اسلام کے کئی ایک علماء رفع یدین پر عمل کرتے تھے تو یہ بات ہمارے مدعیٰ کے خلاف نہیں ہے۔

ساتواں اعتراض

جناب اثری صاحب فرماتے ہیں کہ "یاد رہے کہ خود کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری و حضرت عمار بن یاسر جیسے کبار صحابہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کو بیان کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے تھے" (دارقطنی و نصب الرایہ)

اس کا جواب مجھے دینے کی ضرورت نہیں جناب اثری صاحب نے اس کے تین سطر کے بعد خود ہی اپنی تردید فرما دی وہ فرماتے ہیں۔

"کوفہ کے علاوہ باقی عالم اسلام میں اس پر عمل تھا"

(الاعتصام المذکور صہ ۱۲)

یعنی کوفہ میں رفع یدین کا عمل نہ تھا۔ باقی عالم اسلام میں تھا۔ تو کوفہ میں اس پر عمل ہونے کی نفی انہوں نے خود ہی فرما دی ہے سے

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

آٹھواں اعتراض

مسئلہ رفع یدین کے سلسلہ میں راقم کی طرف سے پیش کی گئی تحقیق و تدقیق پر جناب اثری صاحب کا آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین نہ کرنے والوں کو کنکریاں مارا کرتے تھے۔"

(مسند حمیدی ص ۲۷۷ ج ۲، دارقطنی ج ۱ ص ۲۸۹، جزء رفع الیدین ص۱۱، الاستذکار ص ۲۶ ج ۲) (الاعتصام ۸ رجنوری ۱۹۹۳ء ص۱۲)

تحقیق سند

اب ہم باقاعدہ ان احادیث کا ناقدانہ جائزہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کو پتہ چلے کہ ہماری پیش کردہ تحقیق پر جو اثری صاحب نے اعتراضات کئے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے:

" اس حدیث کو امام حمیدی نے ولید بن مسلم سے انہوں نے زید بن واقد سے انہوں نے نافع سے روایت کیا کہ

ان عبد اللہ بن عمر کان	بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عمر جب
اذا ابصر رجلا یصلی لا یرفع	کسی آدمی کو اس طرح نماز پڑھتا دیکھتے کہ جب
یدیہ کلما خفض و رفع	وہ سر کو نیچے جھکاتا اور اوپر اٹھاتا ہے
حصبہ حتی یرفع یدیہ۔	رفع یدین نہیں کرتا تو آپ اسکو کنکر مارتے
(مسند حمیدی ج ۲ ص۲۷۷)	تاکہ وہ رفع یدین کرے۔

امام دارقطنی نے اس حدیث کو ابوبکر نیشاپوری سے انہوں نے عیسیٰ بن ابی عمران سے انہوں نے ولید بن مسلم سے انہوں نے زید بن واقد سے

انہوں نے نافع سے روایت کیا۔ اس سند میں بھی عیسیٰ بن ابی عمران کے بعد مسند حمیدی کی سند آجاتی ہے۔ اور امام بخاری نے بھی اپنی جزء رفع الیدین میں امام حمیدی سے روایت کیا انہوں نے ولید بن مسلم سے انہوں نے زید بن واقد سے انہوں نے نافع سے۔ جناب اثری صاحب نے اعتراض میں اگرچہ متعدد کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں۔ مسند امام حمیدی، دارقطنی اور جزء رفع الیدین امام بخاری وغیرہ مگر سب میں امام حمیدی کی ہی سند ہے کیونکہ وہ امام بخاری کے استاذ ہیں امام بخاری نے بھی ان سے روایت کیا اور امام دارقطنی کی سند میں بھی ابو بکر نیشاپوری اور عیسیٰ بن ابی عمران کے بعد امام حمیدی کی سند آجاتی ہے یعنی ولید بن مسلم راوی ہیں۔

ولید بن مسلم مجروح راوی ہیں

اور یہ ولید بن مسلم مجروح راوی ہیں وہ روایت کرنے میں بہت غلطیاں کرجاتے تھے چنانچہ امام عسقلانی تہذیب میں فرماتے ہیں کہ

قال المروزی عن احمد کان الولید کثیر الخطأ۔

امام مروزی امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ ولید کثیر الخطأ تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۴)

یعنی ولید بن مسلم نہ صرف یہ کہ روایت کرنے میں غلطیاں کرجاتے تھے بلکہ بہت ہی غلطیاں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ تدلیس اور ارسال بھی کرتے تھے یعنی مدلس اور مرسل بھی تھے۔ امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ

اختلطت علیہ احادیث ماسمع ومالم یسمع وکانت لہ منکرات۔

ولید بن مسلم سنی اور ان سنی حدیثیں باہم خلط ملط کردیتے تھے اور اس کی کئی روایات منکر ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۴، ۱۵۵)

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ

قال ابو مسھر الولید مدلس وربما دلس عن الکذابین (الی ان قال) روی عن مالک عشرۃ احادیث لیس لھا اصل الخ (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۳۴۷)	امام ابو مسہر نے فرمایا کہ ولید مدلس ہے اور بسا اوقات جھوٹے راویوں سے انکی نشاندہی کئے بغیر روایت کرتا (تاکہ اسکی روایت قبول کر لی جائے) اور اس نے امام مالک سے ایسی دس حدیثیں روایت کیں جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

لہٰذا اثری صاحب کی یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع یدین نہ کرنے والوں کو پتھر مارنے والی روایت ضعیف و ناقابل استدلال قرار پائی جس کے نتیجہ میں جناب اثری صاحب کا یہ آٹھواں اعتراض بھی باطل و ناکارہ ہوگیا۔ علاوہ ازیں ہم گذشتہ قسط میں امام ابن عبد البر کی تمہید کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ صحابہ میں سے رفع یدین نہ کرنے والے کرنیوالوں پر اور رفع یدین کرنیوالے نہ کرنیوالوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔

خاص کر تمہید کی یہ عبارت پھر دیکھ لیجئے کہ

ان من رفع منھم لم یعب علی من ترکہ۔ (التمھید ج ۹ ص ۲۲۶)	بلاشبہ جو صحابہ رفع یدین کرتے تھے وہ ان پر کوئی اعتراض نہ کرتے تھے جنہوں نے رفع یدین ترک کر دیا تھا۔

اس سے بھی کنکر مارنے والی روایت کا جھوٹ ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ الحمد للہ ہماری اس تحقیق سے اثری صاحب کا اعتراض مذکور باطل و مردود ٹھہرا۔

نواں اعتراض

محترم جناب اثری صاحب کا نواں اعتراض یہ ہے کہ

"حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد نے عبداللہ بن عامر کو اپنی ملاقات کی اجازت اس بناء پر نہ دی کہ اس نے عطیہ بن قیس کو رفع یدین کرنے پر مارا تھا۔" (سیر اعلام النبلاء)

امام بخاری نے بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے" (الاعتصام ص۱۳)

حضرت عبداللہ بن عامر

محترم اثری صاحب نے یہ تو نقل فرمادیا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے عبداللہ بن عامر کو اپنی ملاقات کی اسلئے اجازت نہ دی تھی کہ انہوں نے عطیہ بن قیس کو نماز میں رفع یدین کرنے پر مارا تھا۔" مگر یہ نہ بتایا کہ عبداللہ بن عامر کون تھے؟ آیئے ہم قارئین کرام کی خدمت میں ان کا تعارف پیش کرتے ہیں کہ ان کی شخصیت کا مقام و مرتبہ قارئین پر واضح ہو۔ اسی سیر اعلام النبلاء میں امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (طوالت کے خوف سے ہم ذمہ داری کے ساتھ اُردو ترجمہ لکھنے پر اکتفاء کرتے ہیں)

"عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم (الامام الکبیر) بڑے امام، شام کے مقری (فن قراءۃ و تجوید کے استاذ امام) علم و عرفان کے بلند مقام پر فائز حضرات میں سے ایک ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمران ہے، یحصبی دمشقی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش فتح مکہ کے سال ہوئی، اور یہ بعید ہے اور صحیح وہ بات ہے جو ان کے شاگرد رشید یحییٰ بن حارث ذماری نے فرمائی کہ ان کی ولادت ۲۱ھ میں ہوئی۔

اور ہمیں قوی اسناد سے یہ روایت پہنچی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے قرآن حکیم پڑھا اور ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے ان سے قرآن کا کچھ حصہ پڑھا۔ اور ایک قول یہ ہے انہوں نے ان سے نصف قرآن پڑھا اور یہ بات درجۂ صوت کو نہیں پہنچی (کہ ان سے نصف قرآن پڑھا) اور یہ آیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی، دمشق کے قاضی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے قرآن پڑھا اور مشہور یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید حضرت مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی سے پڑھا۔

اور حضرت معاویہ ونعمان بن بشیر وفضالہ بن عبید اور واثلہ بن اسقع اور دیگر صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنیں اور انہیں آگے روایت کیا۔

پھر آگے ان سے ربیعہ بن یزید القصیر قزبیدی ویحیی ذماری وعبدالرحمن بن یزید بن جابر و عبداللہ بن علاء اور تابعین کی ایک جماعت نے حدیثیں روایت کیں اور یحیی بن حارث وغیرہ نے انہیں قرآن سنایا۔

امام نسائی وغیرہ نے انہیں ثقہ بتایا اور ان کی مروی حدیثوں کی تعداد قلیل ہے۔

امام ہیثم بن عمران نے کہا کہ امام ابن عامر ولید بن عبدالملک اور ان کے بعد کے زمانوں میں اہل مسجد کے رئیس تھے۔ اور (ہیثم نے کہا کہ) ابن عامر پر ایک سنت منوا نہ مخفی رہی پس سعید بن عبدالعزیز نے نقل کیا اور کہا کہ حضرت ابن عامر نے عطیہ بن قیس کو اس وقت مارا جب انہوں نے نماز میں رفع یدین کیا اور کہا گیا ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز کو ان کی اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے ان کو اپنے پاس آنے سے روک دیا۔

امام ابن عامر کی کنیت میں نو قول ہیں۔ ان میں سب سے قوی قول ابو عمران کا ہے

اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ وہ عربی ہیں۔ قبیلہ حمیر سے ثابت النسب ہیں۔ امام یحیی ذماری کہتے ہیں کہ امام ابن عامر "جنبہ" کے قاضی تھے اور وہ مسجد دمشق کی عمارت پر مقرر تھے اور مسجد کے رئیس تھے مسجد میں کوئی بدعت کا کام نہیں ہونے دیتے تھے ان کی وفات عاشورا کے دن ۱۱۸ھ کو ہوئی۔ اور ان کی عمر ۹۷ سال تھی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

اور یحیی ذماری نے جو کہا ہے کہ وہ جنبہ کے قاضی تھے اس سے دمشق کا جنبہ مراد ہے اور وہ ایک خاص شہر اور جو اسکے ساتھ ملحق ساحل علاقے اور قلعے ہیں۔ ان سب کو جنبہ کہتے ہیں اور میں نے اس امام کا پورا تعارف اپنی کتاب "طبقات القراء" میں کر دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۹۲ / ۲۹۳)

امام عسقلانی لکھتے ہیں کہ وہ مسجد دمشق پر مقرر تھے اسمیں کوئی بدعت کا کام نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ :

وکان عالما قاضیا صدوقا اتخذہ اھل الشام اماما فی قراءتہ واختیارہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۷۵)

امام ابن عامر عالم تھے قاضی تھے بہت ہی سچے تھے اہل شام نے ان کی قراءۃ و پسندیدگی ان کو اپنا امام بنالیا تھا۔

امام شمس الدین ذہبی اپنی کتاب "معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار" میں لکھتے ہیں۔ امام خالد بن یزید المری نے فرمایا کہ میں نے امام القراء امام عبداللہ بن عامر سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی میں دو سال کا تھا اور میں نو سال کی عمر میں دمشق منتقل ہوگیا۔ حضرت امام ابن عامر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو درداء و عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے قرآن پڑھنا سیکھا۔ اور دیگر صحابہ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ اور وہ شام جانے کے بعد دمشق کی جامع مسجد کے نگران اعلیٰ وامام مقرر ہوگئے۔" وکان لا یری فیہ بدعۃ الا غیرھا " یعنی آپ کو مسجد میں

جو بدعت کا کام ہوتا نظر آتا اسے روک دیتے تھے اور نہیں ہونے دیتے تھے۔

(ج ا صد ۸۲ تا ۸۶ ملخصاً)

امام حافظ ابو الخیر محمد بن محمد الدمشقی المعروف امام ابن الجزری م ۸۳۳ھ جنہیں امام جزری بھی کہتے ہیں اپنی کتاب "النشر فی القراءت العشر" میں لکھتے ہیں کہ امام عبد اللہ بن عامر نے امام مغیرہ بن ابی شہاب و حضرت ابو درداء عویمر بن زید رضی اللہ عنہما سے قرآن سیکھا۔ پھر فرماتے ہیں:

وکان اماما کبیرا وتابعیا جلیلا وعالما شهیرا ام المسلمین بالجامع الاموی سنین کثیرة فی ایام عمر بن عبد العزیز وقبله وبعده فکان یؤتم به وهو امیر المؤمنین وناهیك بذلك منقبة وجمع له بین الامامة والقضاء ومشیخة الاقراء بدمشق اذ ذلك دار الخلافة ومحط رجال العلماء والتابعین فاجمع الناس علی قراءته وعلی تلقیها بالقبول وهم الصدر الاول الذین هم افاضل المسلمین۔

(ج ا صد ۱۴۴)

اور حضرت عبد اللہ بن عامر بڑے امام جلیل القدر تابعی اور مشہور عالم تھے جامع مسجد اموی دمشق میں بہت سالوں تک زمانۂ عمر بن عبد العزیز میں اور اس سے پہلے اور اس کے بعد مسلمانوں کو امامت کراتے رہے اور لوگ ان کی اتباع کرتے تھے اور وہ مسلمانوں کے امیر تھے اور ان کی عظمت کے سلسلہ میں تمہارے لئے اسقدر دلیل کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دمشق میں ان کیلئے امامت وقضا اور شیخ القراء کا منصب جمع کر دیا تھا اور اس زمانہ میں دمشق اسلامی ریاست کا دار الخلافہ علماء و تابعین اہل علم کا گڑھ تھا پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی قراءۃ پر اور تواتر و تسلسل سے ان کی قراءۃ کے قبول کرنے چلے آنے پر اکٹھا کر ڈالا اور ان کی پیروی کرنیوالے زمانہ صحابہ کے

رگ تھے وہ رگ مسلمانوں میں فاضل ترین حضرات تھے۔

اور امام ابوحفص عمر بن قاسم بن محمد مصری انصاری جو سنہ ۹۰۰ھ کے علماء میں ہیں اپنی مشہور کتاب "المکرر فیما تواتر من القراءات السبع وتحرر" میں لکھتے ہیں کہ (اردو ترجمہ عرض ہے)

" قراء کے چوتھے امام ابن عامر ہیں ان کا اسم گرامی عبداللہ بن عامر یحصبی ہے اور یحصب قبیلہ حمیر کی شاخ ہے ان کی کنیت ابونعیم یا ابوعمران ہے آپ جامع مسجد دمشق کے امام اور دمشق کے قاضی (جج) تھے۔ آپ تابعی ہیں آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے واثلہ بن اسقع و نعمان بن بشیر سے ملاقات کی اور یحیی بن حارث ذماری کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی سے قرآن پڑھا اور عثمان غنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اور باقی وہی باتیں ہیں جو پہلے مذکور ہو چکیں) ص ۵ ۔

خلاصہ تاثرات امام عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جنہوں نے رکوع میں رفع یدین کرنے پر عطیہ بن قیس کو مارا، ان کے بارے میں امام ذہبی و امام عسقلانی و امام جزری کے تاثرات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) وہ بڑے امام تھے۔

(۲) وہ جلیل القدر تابعی تھے۔

(۳) فن قراءت کے سات اماموں میں سے ایک عظیم الشان امام ہیں۔

(۴) وہ علم و عرفان کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں۔

(۵) انہوں نے حضرت عثمان غنی و حضرت ابو درداء اور فضالہ بن عبید ایسے اکابر صحابہ سے قرآن پڑھا۔

(۶) انہوں نے حضرت معاویہ و نعمان بن بشیر و فضالہ بن عبید اور واثلہ بن اسقع و دیگر صحابۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

(۷) ان سے بہت سے جلیل القدر تابعین و اتباع تابعین نے قرآن و سنت کا علم حاصل کیا۔

(۸) وہ جامع مسجد دمشق کے نگرانِ اعلیٰ و امام تھے۔

(۹) وہ بدعت کے سخت مخالف تھے۔

(۱۰) وہ جامع مسجد دمشق میں کوئی بدعت نہیں ہونے دیتے تھے۔

(۱۱) انہوں نے عطیہ بن قیس کو رفع یدین کرنے پر مارا کہ ان کے نزدیک رفع یدین بدعت کا کام تھا۔ بایں معنی کہ ان کے نزدیک یہ چیز ممنوع و منسوخ قرار پا چکی تھی۔

(۱۲) وہ امیر المومنین تھے۔

(۱۳) لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔

(۱۴) دمشق دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علماء صحابہ و تابعین وغیرہم کا گڑھ تھا۔

(۱۵) صدرِ اوّل (زمانۂ صحابہ) کے علماء و قراء نے ان کو اپنے زمانہ کا امام اور مسلمانوں کا امیر قرار دیا اور ان کی قراءۃ کو قبول کرتے ہوئے ان کی اتباع و پیروی اختیار کی۔

(۱۶) محدثین نے ان کو ثقہ و معتبر قرار دیا۔

عطیہ بن قیس

اب عطیہ بن قیس کا تعارف بھی ہو جاتے جنہیں امام کبیر حضرت عبداللہ بن عامر نے رفع یدین کرنے پر مارا۔ یہ عطیہ بن قیس کلابی ہیں ان کی کنیت ابو یحییٰ حمصی اور انہیں ابو یحییٰ دمشقی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دمشق کے باشندے تھے۔ انہوں نے علم حدیث حضرت ابی بن کعب و حضرت معاویہ و حضرت نعمان بن بشیر و حضرت ابو درداء و حضرت عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عمرو و حضرت عبدالرحمن بن غنم و قزعہ بن یحییٰ اور ابو ادریس خولانی

وغیرہم سے حاصل کیا اور آگے ان سے ان کے بیٹے سعد نے وسعید بن عبدالعزیز وعبداللہ بن یزید دمشقی وعبدالرحمٰن بن یزید بن جزم وحسن بن عمران عسقلانی اور علی بن حملہ نے حدیث روایت کی اور اس سے قرآن سیکھا۔ امام ابن سعد نے انہیں طبقۂ رابعہ میں شمار کیا اور کہا ہے کہ وہ معروف شخصیت ہیں اور ان کی کئی ایک احادیث مرویہ ہے۔

(الی ان قال) انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم کی بھی زیارت کی۔ امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میرے والد امام ابوحاتم نے فرمایا کہ عطیہ بن قیس صالح الحدیث تھے امام عبدالواحد بن قیس نے فرمایا کہ لوگ عطیہ بن قیس کی قراءۃ کے مطابق اپنے مصاحف کی تصحیح کرتے تھے۔ اور حضرت عطیہ بن قیس نے حضرت ابو ایوب انصاری کے ہمراہ جہاد میں شرکت کی۔ اور عطیہ بن قیس اور اسمٰعیل بن عبداللہ دونوں جند (جہاں امام عبداللہ بن عامر قاضی تھے وہاں کے) قاری تھے۔ امام ابومسہر نے کہا کہ عطیہ بن قیس کی ولادت ۷ھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوئی اور وہ حضرت معاویہ کی خلافت میں جہاد میں شریک ہوتے اور انہیں کی خلافت کے زمانہ میں ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ امام مفضل الغلابی نے فرمایا کہ مجھے اہل شام میں سے بنی عامر کے ایک شخص نے بتایا کہ عطیہ بن قیس تابعین میں سے تھے اور ان کے والد قیس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور امام سعد بن عطیہ نے کہا ان کی وفات ۱۲۱ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۱۰۴ سال تھی۔ امام ابن حبان نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا اور کہا کہ ان کی ولادت (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد) ۷ھ میں ہوئی اور وفات حضرت مکحول کی وفات سے ایک سال پہلے ۱۲۱ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۸، ۲۲۹)

ہم نے حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عطیہ بن قیس (رضی اللہ عنہما) دونوں کے حالات لکھ دیئے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو کہ حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت

عطیہ بن قیس دونوں اہل علم تھے، تابعین میں سے تھے۔ اور دونوں جنت میں تھے۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عامر علم میں عطیہ بن قیس سے فائق تھے کیونکہ محدثین نے ان کو امام کبیر اور امیر المومنین کہا جبکہ عطیہ بن قیس کی شان میں یہ القاب نہیں لکھے۔

قابلِ توجہ نکتہ یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ دونوں حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے فیض حاصل کیا، دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ کی صحبت کا شرف حاصل کیا، حضرت عطیہ بن قیس کا رفع یدین کرنا اسکے سوا ممکن نہیں کہ انہوں نے متعدد صحابہ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہوگا اور حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا رفع یدین ترک کرنا بھی اسکے سوا ممکن نہیں کہ انہوں نے بھی متعدد صحابہ کو رفع یدین ترک کرتے دیکھا ہوگا اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عامر کا عطیہ بن قیس کو رفع یدین کرنے پر مارنا بھی اس وقت ہی ممکن ہوگا جب دونوں میں اس موضوع پر بحث مباحثہ ہوا ہو۔ اور عطیہ بن قیس، حضرت عبداللہ بن عامر کے سامنے لاجواب ہو گئے اور ان پر یہ حجت قائم ہو گئی ہو کہ رفع یدین کا عمل درحقیقت متروک و منسوخ ہے یا یہ صورت ہوئی ہوگی کہ عطیہ بن قیس کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عامر کی عدالت میں رفع یدین پر مباحثہ ہوا ہوگا اور انہوں نے آپ کو قاضی ہونے کی حیثیت سے حکم و ثالث مقرر کیا ہو آپ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد ترک رفع یدین کے حق میں عطیہ بن قیس کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا ہو مگر عطیہ بن قیس نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہو اور امام کبیر قاضی عبداللہ بن عامر نے اسے توہین عدالت ٹھہراتے ہوئے ان کو سزا دی ہو۔ ورنہ ایک شخص جو صحابہ کرام کا صحبت یافتہ، فیض یافتہ، امام کبیر اور امیر المومنین، جامع مسجد دمشق کا امام اور وقت کا قاضی ہو۔ وہ دلائل کے اعتبار سے اتمام حجت کئے بغیر دوسرے اہل علم کو تشدد کا نشانہ بنائے اور اسکی مار پیٹ تک کر ڈالے ممکن نہیں ہے۔ قرین قیاس یہی

ہے کہ دونوں حضرات میں یہ بحث و مباحثہ ہوا۔ امام کبیر و امیر المومنین قاضی عبداللہ بن عامر نے عطیہ بن قیس پر اتمام حجت کر کے ان کو لاجواب کر دیا جس کے بعد ان کو توقع تھی کہ اب وہ حق کو قبول کئے بغیر نہیں رہیں گے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اس کے باوجود وہ رفع یدین سے باز نہیں آتے جو ان کے نزدیک منسوخ قرار پانے کی وجہ سے بدعت کے زمرہ میں آتا تھا اور وہ کسی بدعت کو دیکھ کر گوارا نہیں کرتے تھے تو انہوں نے رفع یدین کرنے پر ان کی پٹائی کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دمشق کے اکثر حضرات تابعین و تبع تابعین رفع یدین نہیں کرتے تھے کیونکہ اگر وہاں کی اکثریت یا کم از کم نصف کی حد تک لوگ رفع یدین کرتے ہوئے تو وہ ان کی مار پیٹ کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ لہٰذا یہ واقعہ بجائے خود ترک رفع یدین کے صحیح ہونے کی تائید قرار پاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کوفہ کی طرح اہل شام بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے بلکہ اسے منسوخ ہونے کی وجہ سے بدعت سمجھتے تھے۔

رہا حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ان کو اپنی ملاقات کی اجازت نہ دینا تو یہ رفع یدین کے حق ہونے کی دلیل نہیں بنتا بلکہ یہ صرف اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس تشدد کو پسند نہ کیا کیونکہ یہ فروعی مسئلہ ہے ان کے نزدیک اس پر اس قدر سختی مناسب نہ تھی۔ اسی طرح ہم اگرچہ ترک رفع یدین کے قائل ہیں تاہم ہم اس بات کو بھی پسند نہیں کریں گے کہ ہم میں سے کوئی کسی کو صرف اس بات پر مارے پیٹے کہ وہ رفع یدین کا قائل یا کرتا ہے۔

نیز ہیثم بن عمران کا یہ کہنا کہ رفع یدین سنت متواترہ حضرت عبداللہ بن عامر سے مخفی رہی صحیح نہیں ہے کیونکہ جس ہستی نے حضرت عثمان غنی و حضرت ابودرداء اور حضرت فضالہ بن عبید ایسے جلیل القدر صحابہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھا اور حضرت معاویہ و حضرت نعمان بن بشیر و فضالہ بن عبید اور حضرت واثلہ بن اسقع اور ان جیسے دیگر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حدیث حاصل کیا ہو اس سے کوئی سنت متواترہ کیسے مخفی رہ سکتی ہے لہٰذا رفع یدین کو سنت متواترہ کہنا ناقابل فہم بات ہے بلکہ سنت

متواتر تو کجا اس کا نفس سنت کے طور پر باقی رہنا بھی محل نظر قرار پاتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس پر عطیہ بن قیس کی پٹائی نہ کرتے، بلکہ صحابہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد رشید اور دمشق کے قاضی ہونے کی حیثیت سے ان کے اس فعل رفع یدین پر عطیہ بن قیس کو پیٹنے سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین کا عمل متروک ہو چکا تھا اسلئے انہوں نے اسے بدعت قرار دے کر اس کے مرتکب کے خلاف تعزیری کارروائی کر ڈالی۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی کہ ہمیں بچپن میں مدینہ منورہ میں رفع یدین کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی تو ان کا یہ فرمان ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ ہمارا یہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ سب نے رفع یدین ترک کر دیا تھا بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اسمیں صحابہ و تابعین اور مابعد کے علماء کا عمل مختلف رہا ہے کچھ اسکے منسوخ و ممنوع ہونے کے قائل تھے اسلئے وہ حضرات رفع یدین نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے بچوں کو بھی رفع یدین نہ کرنے کی تلقین کرتے اور کچھ حضرات اس کے بطور سنت باقی رہنے کے قائل تھے وہ خود بھی رفع یدین کرتے اور اپنے بچوں کو بھی اسکی تعلیم دیتے، اگر صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اسے ترک نہ کر دیا ہوتا تو ان سے اکتساب فیض کرنے والے حضرت عبداللہ بن عامر جیسے امام کبیر اور قراءۃ و حدیث میں مسلمانوں کے امیر رفع یدین کرنے پر عطیہ بن قیس کی مار پیٹ نہ کرتے۔ اور ہم اس سے پہلے حوالہ کے ساتھ نقل کر چکے ہیں کہ حجاز (مکہ و مدینہ) کی حدیثوں کے سب سے زیادہ علم رکھنے والے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ رفع یدین کرتے بھی تھے اور نہیں بھی کرتے تھے۔ اور یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب ان کے علم میں ہو کہ اہل مکہ و مدینہ کے اہل صحابہ و تابعین کے ایک گروہ نے رفع یدین کرتا اور دوسرا گروہ نہیں کرتا تھا۔

نواں اعتراض

جناب اثری صاحب کا مسئلہ رفع یدین پر نواں اعتراض یہ ہے۔

افسوس کہ آج اسی عمل کو (جس کی بقول عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ "بچپن میں مدینہ میں انہیں تعلیم دی جاتی تھی") برا عمل کرنے کی ناپاک جسارت کی جارہی ہے۔

اس پر ہم جناب اثری صاحب کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کریں گے کہ جناب والا، آپ کے نزدیک یہ عمل ضرور مقدس ہوگا لیکن جن حضرات کے نزدیک یہ عمل ممنوع و منسوخ ٹھہرا ان کے نزدیک تو ممانعت کے بعد یہ عمل برا ہی قرار پایا۔ اس عمل کو آج برا ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جارہی بلکہ یہ صدر اوّل سے ہی ممنوع ہونے کے بعد برا ٹھہرا چلا آرہا ہے اگر یہ عمل برا نہ ہوتا تو صدر اوّل کی شخصیت امام کبیر، قراءۃ و حدیث کے امام حضرت امام عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ عطیہ بن قیس کو اس پر نہ مارتے جبکہ ان کے حالات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ جامع مسجد دمشق میں کوئی بدعت نہیں ہونے دیتے تھے، ان کا اس پر عطیہ بن قیس کو مارنا ان کے نزدیک اسکے برا ہونے کی دلیل ہے۔

نیز امام طحاوی علیہ الرحمۃ شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

ان ذٰلك هُوالحق لا ينبغی لاحد خلافه۔ کہ بلاشبہ رفع یدین نہ کرنا وہ حق ہے کہ کسی کے لئے بھی اس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۱)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ اس عمل کو آج نہیں صدیوں سے ناجائز اور برا تصور کیا جاتا رہا ہے۔

اور امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی م ۵۸۷ھ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

ان العشرة الذین شهد لهم رسول اللہ بالجنۃ ما کانوا یرفعون ایدیھم الا لافتتاح الصلوٰۃ وخلاف ھؤلاء قبیح۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص۲۰۷)

بلاشبہ وہ دس صحابہ جن کے جنتی ہونے کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی وہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے اور ان حضرات کے عمل کے خلاف کرنا بری بات ہے۔

لیجئے امام کاسانی علیہ الرحمۃ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان "کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عشرہ مبشرہ صحابہ صرف ایکبار شروع میں رفع یدین کرتے تھے اسکے بعد نہیں کرتے تھے" نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ عشرہ مبشرہ کی مخالفت کرنا یعنی رفع یدین کرنا قبیح ہے۔ اور قبیح کے معنی برے کے ہی ہیں۔ ثابت ہوا کہ رکوع کا رفع یدین منسوخ و ممنوع ہونے کی وجہ سے بدعت ہے اور برا عمل ہے۔ ہاں جو ائمہ مجتہدین اپنے اجتہاد اور ان کے پیروکار ان کی تحقیق پر اعتماد کی وجہ سے رفع یدین کرتے تھے یا اب کرتے ہیں وہ اس پر ایک ثواب کے مستحق ہیں مگر ائمہ دین کی پیروی سے ہٹ کر غیر مجتہد غیر مقلدین کا عمل رفع یدین تحقیق بالا کی رو سے عمل قبیح ہے۔

جناب اثری صاحب نے مندرجہ عبارت جلی حروف میں لکھ کر ساتھ ہی سوالیہ نشان لگا دیا کہ کیا حدیث پر عمل کرنا گناہ ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بعض اوقات حدیث تو کجا قرآن کی آیت پر بھی عمل کرنا گناہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ حدیث یا آیت منسوخ ہو مثلاً ایک کام پہلے ہوا کرتا تھا جس کا ذکر حدیثوں یا قرآن کی آیتوں میں آگیا اور بعد میں وہ منع ہو گیا مگر وہ حدیثیں اور آیتیں تو موجود ہیں لیکن ان پر عمل متروک و منسوخ ہے لہٰذا ان متروک العمل یا منسوخ العمل حدیثوں اور آیتوں پر عمل گناہ ہی ہوگا۔ جیسا کہ رکوع میں رفع یدین والی حدیثیں تو موجود ہیں مگر ان پر عمل کرنا ممنوع ہو گیا لہٰذا ان آیتوں اور حدیثوں پر عمل کرنا بدعت (برا کام) ناجائز اور قبیح (بری بات) ہے

قرآن کی متروک العمل اور منسوخ آیتوں میں سے ہم ایک آیت کی مثال پیش کرتے ہیں۔
اللہ تعالےٰ قرآن میں فرماتا ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ " کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا۔
(البقرۃ: ۱۸۴)

اسمیں اجازت دی گئی کہ جو شخص طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہ رکھے وہ اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے لیکن بعد میں حکم ہوا " فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ " (البقرۃ) کہ جو ماہِ رمضان پائے وہ اسکے روزے رکھے اس سے طاقت ور پر روزہ رکھنا فرض کرکے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ لہٰذا اب کوئی اس پہلی آیت پر عمل کرے گا کہ طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا۔ (الایضاح مؤلف امام محمد مکی بن ابی طالب م ۴۳۷ھ ص۱۱۱)

اسی طرح منسوخ حدیث پر عمل کرنا بھی گناہ قرار پاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنائی (ملاحظہ مجمع الزوائد ج ۵ ص۱۵۱)

(۲) حضرت جمیل بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صحابہ زید بن حارثہ، زید بن ارقم، براء بن عازب، انس بن مالک اور عبد اللہ بن یزید کو دیکھا وہ سونے کی انگوٹھیاں پہنتے تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص۱۵۳، ص۱۵۴)

ان حدیثوں کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے تو ہم اثری صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر آپ کسی کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھیں اور اسے اسکے پہننے سے منع کریں اور اسے گناہ قرار دیں اور وہ اگر اسکے جواب میں آپ سے کہے کہ جناب میں نے تو حدیثوں پر عمل کیا ہے۔ " کیا حدیث پر عمل کرنا گناہ ہے؟ " تو آپ اسے کیا جواب دیں گے؟ یہی کہ اسمیں شک نہیں کہ حدیثوں میں تو آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کو

سونے کی انگوٹھی پہنائی اور یہ کہ ان کے علاوہ دیگر چار صحابہ کا بھی سونے کی انگوٹھی پہننا حدیث سے ثابت ہے مگر انہیں بالاء کی تو خصوصیت ہے اور باقی چار کا عمل سونے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت سے پہلے کا ہے لہٰذا ممانعت کے بعد ان حدیثوں پر عمل کرنا ضرور گناہ ہے۔ اسی طرح ہم بھی اثری صاحب کے اس سوال کے جواب میں اثری صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جنابِ والا رکوع میں رَفع یَدَین کرنا ممانعت سے پہلے کا عمل ہے بعد میں اس سے منع کر دیا گیا لہٰذا ممانعت کے بعد رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین والی حدیثوں پر عمل کرنا ضرور گناہ ہے۔

اسی لئے امام کبیر اور قرآن و سنت کے علوم میں مسلمانوں کے امیر حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جامع مسجد دمشق میں رَفع یَدَین کرنے پر عطیہ بن قیس کو مارا تھا، اگر یہ گناہ نہ ہوتا تو وہ انہیں کیوں مارتے اور ہم گذشتہ صفحات میں امام طحاوی اور امام کاسانی کے حوالہ سے رفع یدین کا ناجائز اور قبیح (بُرا عمل) ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کچھ آیتیں اور حدیثیں ایسی بھی ہیں جن پر عمل متروک و ممنوع قرار پانے کی وجہ سے گناہ ٹھہرتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ہر حدیث قابل عمل نہیں کیونکہ ان میں منسوخ حدیثیں بھی ہیں قرآن کریم کی آیات کی طرح، کہ اسمیں بھی بعض آیات منسوخ ہیں۔

(۱۰) دسواں اعتراض

محترم جناب اثری صاحب لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی پیروی نہ کی جائے اور آپ کے فرمان پر عمل کرنے کے لئے کے لئے کسی ہستی حتی کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بھی تائید کی ضرورت نہیں۔"

(الاعتصام المذکور ص۱۳)

بلاشبہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان پر عمل کرنے کے لئے کسی کی تائید کی ضرورت نہیں لیکن اگر صحابہ کا عمل کسی حدیث کے خلاف ہو خصوصاً شیخین کریمین سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا عمل۔ تو ہم ان کے حدیث کے خلاف عمل کو اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل قرار دیں گے یا اگر حدیث میں ابہام ہے تو ان کا عمل حدیث کی وضاحت تصور ہوگا۔ جیسے ان کا عمل رفع یدین کی حدیث کیخلاف ہے لہٰذا ان کا عمل رفع یدین کی منسوخیت و ممنوعیت کی دلیل قرار پائیگا۔

پھر لکھتے ہیں "خود فقہائے کرام نے واشگاف الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ صحیح حدیث ہمارا مذہب ہے، اور اگر ہمارا قول صحیح حدیث کے خلاف پاؤ تو اسے چھوڑ دو۔"

(الاعتصام المذکور ص۱۳)

بلاشبہ ہم بھی اسی کے قائل ہیں ائمہ دین مجتہدین حدیثوں سے ثابت تعلیم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی عمل کرتے تھے بالخصوص سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں:

"اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کہ جب حدیث درجۂ صحت کو پہنچتی ہے وہی میرا مذہب ہے۔"

لہٰذا امام ابوحنیفہ کا مذہب کہ "رفع یدین منسوخ و متروک ہے" بھی حدیث صحیح سے ثابت ٹھیرا کیونکہ اگر رفع یدین کے حق میں کوئی صحیح اور غیر منسوخ حدیث ہوتی امام اعظم

کا ہی (رفع یدین) مذہب ہوتا۔

اسکے بعد اثری صاحب لکھتے ہیں:

"خود ائمہ فقہاء کے تلامذہ نے اپنے اساتذہ سے اختلاف کیا ہے۔"

بلاشبہ ان کے تلامذہ نے ان سے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے مگر وہ تلامذہ بھی مجتہد تھے اور ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد سے اختلاف کرنے کا حق ہے، خواہ کوئی خاص اجتہادی مسئلہ میں تحقیق کر کے اجتہاد کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو یا تمام اجتہادی مسائل میں اجتہاد کی صلاحیت واستعداد رکھتا ہو اسے اس خاص مسئلہ میں یا تمام اجتہادی مسائل میں دوسرے مجتہد سے اختلاف کرنے کا حق ہے خواہ یہ اختلاف اپنے استاذ یا شیخ محترم سے ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس شخص کو ائمہ فقہاء سے اختلاف کرنے کا حق نہیں ہے جو فقہ کے اصولوں سے واقف ہی نہیں ہے حتیٰ کہ عربی عبارت تک صحیح پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اور خاص کر ہمارے کرم فرما اہلحدیث کہلانے والے حضرات میں سے تو اکثر حدیث کی سطحی سمجھ بھی نہیں رکھتے مگر وہ کہلاتے اہلحدیث ہیں جبکہ اہلحدیث کا لفظ اصطلاحی ہے جس سے مراد جاہل مطلق اور ان پڑھ لوگ نہیں ہو سکتے۔

اسکے بعد اثری صاحب فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے بھی کسی کو حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی بننے کا مکلف نہیں ٹھیرایا صحابہ کرام یا تابعین میں سے بھی کسی نے اپنے آپ کو صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی نہیں کہلوایا اور ایسی حد بندیوں کو قبول نہیں کیا تو امت میں کوئی اور اس کا مستحق کیونکر ہو سکتا ہے؟" (الاعتصام ۱۴ رجب ۱۴۰۳ھ صفحہ ۱۲)

جناب والا سے گذارش ہے کہ اگر حنفی، شافعی یا مالکی اور صدیقی فاروقی عثمانی وعلوی کہلوانا ممنوع ہے تو آپ کے اسم گرامی "ارشاد الحق" کے ساتھ

"اثری" کے لکھنے یا آپ کے اثری کہلوانے کا جواز کہاں سے آگیا۔
آپ کے علماء کرام سلفی کہلاتے ہیں اس کا ثبوت قرآن وسنت سے پیش کریں۔ نیز حنفی و شافعی یا صدیقی و فاروقی وغیرہ کہلانے کی ممانعت کی کونسی دلیل ہے اس سلسلے میں قرآن کی آیت اور کوئی حدیث پیش فرمائی ہوتی پھر آپ کا یہ فرمانا کہ "صحابہ یا تابعین نے ایسی حد بندیوں کو قبول نہیں کیا" کیا آپ کسی صحابی یا تابعی کا کوئی ایسا قول پیش کر سکتے ہیں جس میں انہوں نے صدیقی وغیرہ کہلانے کی ممانعت فرمائی ہو۔ ایسا قول پیش کریں ورنہ ان پر بہتان تراشی سے توبہ فرمائیں۔ نیز آپ کے ہم مسلک علماء وہابیہ نجدیہ اپنے اسمائے گرامی کے ساتھ حنبلی وغیرہ کی نسبتیں تحریر فرماتے ہیں، مثلاً آپ حضرات کے ممدوح امام ابن تیمیہ صاحب کے مجموعہ فتاویٰ کو جمع کرنے اور ترتیب دینے والے آپ کے ہم مسلک وہابی بزرگ اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ)
"جمع وترتیب الفقیر الی اللہ عبد الرحمن بن محمد بن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی"

(مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ ٹائیٹل صفحہ)
پھر وہ امام ابن تیمیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
"شیخ الاسلام ابن تیمیہ النمیری الحرانی"
ان کے اسم گرامی کے ساتھ النمیری اور الحرانی لکھنے کا جواز قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے ثابت ہے؟

نیز آپ کی جماعت کے فاضل جناب "مولانا محمد حنیف یزدانی" جنہیں جناب

اچھی طرح جانتے پہچانتے ہوں گے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں وہ اپنے نام کے ساتھ "یزدانی" قرآن کی کس آیت یا کس حدیث پر عمل کی روشنی میں لکھتے اور کہلاتے تھے؟ نیز خود آپ کا اپنے آپ کو "اہلحدیث" کہلانا کس آیت و حدیث پر عمل ہے؟

نیز مسلکِ اہلحدیث کے مؤرخ و عالم جناب مولانا ابویحییٰ امام خاں نے اپنی کتاب "ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات" جسے آپ کے ہم مسلک مولانا یزدانی نے جمع کیا اور ترتیب دی" میں لکھتے ہیں کہ

"علماء اہلحدیث میں سے ایک تابعی" حضرت ربیع بن صبیح السعدی البصری" ہندوستان تشریف لائے۔" ہلا! آپ کے فاضل ہم مسلک نے ایک تابعی کے نام کے ساتھ "السعدی البصری" کی نسبت کس دلیل سے لگائی۔ "السعدی" تو خاندانی نسبت ہے، جب ان کے ساتھ یہ نسبت لگ سکتی ہے تو صدیقی فاروقی وغیرہما خاندانی نسبتیں کیونکر ممنوع ہوگئیں؟

ائمہ دین مجتہدین کی تقلید سے بھاگے تو معتزلہ کی تقلید کے تاریک گڑھے میں جا گرے معتزلہ کے بعد ان حضرات نے اپنے لئے معتزلہ کے وضع کردہ نام کو تجویز کرکے بدعتِ قبیحہ کا ارتکاب فرما لیا۔ لہٰذا اہلسنت کو حق ہوگا کہ وہ اہلحدیث حضرات کو معتزلۂ جدیدہ (معتزلہ کا نیا فرقہ) کہیں۔ اگر بُرا نہ مانیں۔

معتزلہ فقہی مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے جبکہ ہمارے کرم فرما اہلحدیث حضرات فقہی مسائل میں امام ابن تیمیہ صاحب کے مقلد ہیں کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کا مسئلہ امام ابن تیمیہ صاحب نے اپنایا اور ہمارے کرم فرما اہلحدیث بھی ان کی تقلید میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں اور باقی اعمال و احکامِ فقہیہ میں بھی ان کی پیروی فرماتے ہیں۔

الغرض یہ کس قدر ستم کی بات ہے کہ اہلسنت کے لئے حنفی یا شافعی و مالکی و حنبلی، صدیقی و فاروقی و عثمانی و علوی کہلانا جائز نہ ہو مگر آپ (اہلحدیث حضرات) کیلئے سلفی، اثری، اہلحدیث اور اہل توحید کہلانا جائز ہو سے

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

اثری صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر فرمایا کہ (ترجمہ)

" انسان کو فرض کرنا چاہیئے کہ میں گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں اور لاریب آپ سے یہ سُن رہا ہوں۔ اس تصور کے بعد کیا کوئی جرارت کر سکے گا کہ اس حدیث پر عمل میں تاخیر کرے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اسکی کوئی بھی جرادت نہیں کر سکتا ہر کوئی اپنی فہم فراست کا مکلف ہے۔" (الاعتصام ص۱۱)

بلاشبہ یہی ہمارا موقف اور یہی ہمارا مسلک ہے کہ ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان اقدس پر ہی عمل کیا اور اسکے خلاف جانے کی جراءت نہیں کی اور انمیں سے ہر ایک نے اپنی فہم فراست کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان پر عمل کیا اور اپنے آپ کو اسکا مکلف سمجھا چنانچہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اذا صح الحدیث فھو مذھبی ،، کہ جب صحیح حدیث مجھے پہنچتی ہے تو وہی میرا مذہب ہے اسلئے ان کے مقلدین دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی فرمان اقدس پر عمل کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد اثری صاحب لکھتے ہیں ؎

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار　　مت دیکھ کسی کا قول و کردار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرمان کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول و کردار کو دیکھنے کی حاجت نہیں ہے جبکہ حدیث پاک کے معنی بالکل واضح اور روشن ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان غیر مبہم ہو یعنی بالکل واضح ہو اور منسوخ بھی نہ ہو، کیونکہ اگر واضح ہونے کے باوجود منسوخ ہوگا تو اس پر عمل کی اجازت ہی نہ ہوگی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور منسوخ کی مثال بھی دے چکے ہیں لیکن وہ حدیث جس کے معنی مبہم اور غیر واضح ہوں اسکی وضاحت اپنے اجتہاد کے ذریعے ائمہ دین مجتہدین ہی فرمائیں گے یا جس کے متعدد معانی و مفاہیم نکلتے ہوں اسکے بھی ایک معنی و مفہوم کا تعین اپنی اپنی تحقیق و اجتہاد سے ائمہ دین ہی کریں گے اس صورت میں امت کے لوگ جس مجتہد کی تحقیق کے مطابق توقف اختیار کریں گے ان کو اس بات کا حق پہنچتا ہے ان کا کسی امام مجتہد کی تحقیق کی روشنی

جناب والا ایسی بے تکی نہیں ہانکا کرتے کچھ علمی وقار کا پاس رکھنا چاہیئے۔ آپ لوگ اپنے آپ کو اہلحدیث کہنے کے ساتھ جس کا جواز قرآن وسنت سے نہ تھا، اہل توحید بھی کہنے لگے جبکہ اس نام سے صحابہ نے اور تابعین نے کبھی بھی اپنے آپ کو متعارف نہیں کرایا اور نہ ہی اس کا قرآن و سنت سے کوئی ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ سب سے پہلے معتزلہ نے ہی اپنے آپ کو اہل توحید کے نام سے موسوم و مشہور کیا۔

اتباع کرے اور جو کسی دوسرے امام کے قول کی (مجموعہ فتاویٰ امام ابن تیمیہ
تقلید کرے اس پر طعن نہیں کرنا چاہیئے۔ ج ۳۰ صفحہ)

امام ابن تیمیہ کے اس فرمان سے درج ذیل مسائل واضح ہو گئے۔

(۱) ایک یہ کہ بعض اوقات کتاب و سنت کی عبارتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں متعدد معنوں اور کم از کم دو معنوں کا احتمال ہوتا ہے یا بیک وقت ان کے منسوخ اور غیر منسوخ ہونیکا احتمال ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ اہل علم حضرات کو ان میں سے کسی ایک احتمال کو اختیار کرنے کا حق ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ اسے علمی دلائل کے ذریعے بات کرنا چاہیئے۔

(۴) چوتھا یہ کہ ایسی صورت میں کسی اہل علم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو اپنی اتباع پر مجبور کرے۔

(۵) پانچواں یہ کہ جس اہل علم کو ائمہ دین مجتہدین کے دو اقوال میں سے کوئی ایک قول صحیح لگے وہ اسکی اتباع کرے۔

(۶) چھٹا یہ کہ جو اہل علم اسکے مقابلہ میں دوسرے امام کے قول کی تقلید کرے اس پر طعن و تشنیع نہ کی جائے۔

(۷) ساتواں یہ کہ ایسی صورت میں کسی امام کی تقلید کرنا بری بات نہیں۔

(۸) آٹھواں یہ کہ اہلحدیث حضرات کا اجتہادی مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنے پر احناف کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا غلط بات ہے۔

اور اسی طرح جس مسئلہ کی کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہ ملے لیکن اسمیں صحابہ کرام کے متعدد اقوال ہوں تو اہل علم کو ان میں سے کسی بھی ایک قول کو اختیار کرنے کا حق ہے،
چونکہ صحابہ کے اقوال جو احکام شرعیہ میں سے کسی حکم شرعیہ سے متعلق ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسلئے کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کے

جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں ہے کہ

وسموا انفسهم اصحاب العدل والتوحيد لقولهم بوجوب ثواب المطيع وعقاب العاصي ونفي الصفات القديمة۔ (شرح العقائد طبع مصر ۱۲)

معتزلہ نے اپنے فرقے کا نام "عدل و توحید والے" رکھا عدل والے تو اسلئے کہ وہ کہتے کہ اللہ پر نیک کو ثواب اور گنہگار کو عذاب دینا واجب ہے اور "اہل توحید" اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ کے منکر تھے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ معتزلہ نے سب سے پہلے اپنے آپ کو "توحید والے" کے نام سے مشہور کیا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک ذات باری تعالیٰ کو قدیم مانتے تھے۔ اسکے ساتھ اس کی صفات کو قدیم نہیں مانتے تھے ان کے خیال میں تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکی صفات کو بھی قدیم مانا جائے تو توحید باقی نہیں رہے گی۔

اب ہمارے اہلحدیث کہلانے والے کرم فرماؤں نے ایک بدعت تو یہ اختیار کی کہ اپنے آپ کو "اہلحدیث" کے نام سے موسوم کیا جبکہ صحابہ و تابعین نے اپنے آپ کو اس نام سے متعارف و مشہور نہیں کیا تھا اور دوسری بدعت یہ اختیار فرمائی کہ میں اس حدیث پر عمل قابل طعن بات نہیں ہے۔ خود آپ کے امام "امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

ليس لاحد ان يلزم الناس باتباعه فيها ولكن يتكلم فيها بالحجج العلمية فمن تبين له صحة احد القولين تبعه ومن قلد اهل القول الآخر فلا انكار عليه۔

کہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اجتہادی مسائل میں لوگوں پر اپنی اتباع لازم کرے لیکن اجتہادی مسائل میں علمی دلائل سے بات کرے پس جس پر ائمہ کے دو قولوں میں سے ایک قول کی صحت روشن ہو گئی وہ اسکی

حیثیت سے وہی کہے گا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا بایں حیثیت اس کا قول بھی حدیث مرفوع کے حکم میں آتا ہے لہٰذا اسکی پیروی بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ اس پر طعن و تشنیع کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔

امتی کا براہِ راست حدیث پر عمل کرنا

اسکے بعد اثری صاحب فرماتے ہیں:

"کتنے افسوس کا مقام ہے کہ شافعی و حنبلی بن کر حدیث پر عمل کر لیا جائے تو درست لیکن اگر کوئی امتی ان حدبندیوں سے آزاد ہوکر انہی احادیث پر عمل کرے تو وہ گنہگار (معاذ اللہ) بلکہ حنفی یا شافعی ہو کر اپنے امام کی بیان کردہ دلیل پر، اگرچہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو عمل کرلے تو وہ درست لیکن اسکے مقابلے میں صحیح حدیث پیش کرے یا صحیح حدیث پر عمل کرلے تو گستاخ اور گردن زدنی قرار پائے۔ بتلائیے حدیث کا مقام کیا ہوا؟ اہمیت حدیث کی ہے یا قول امام کی؟"

(الاعتصام ص ۱۳، ۱۴)

حدیث کو سمجھنا مجتہد کا کام ہے

دراصل حدیث کو اسکے پورے علمی تحقیقی تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اس پر براہِ راست عمل کرنا ما و شما یا ایک عام عالم کا کام نہیں بلکہ یہ ایک محقق و مجتہد عالم کی شان ہے جب کوئی مجتہد جس کا نصب العین یہ ہو کہ صحیح حدیث ہی اس کا مذہب ہے کوئی حکم شرعی بتائیگا تو وہ کسی صحیح حدیث پر نظر رکھتے ہوئے ہی بتائیگا جب تک کہ وہ خود یا اسکے تلامذہ یہ نہیں واضح کرتے کہ ان کا بیان کردہ حکم کسی حدیث صحیح پر نہیں بلکہ محض اسکے ذاتی خیال، رائے یا قیاس پر مبنی ہے ہم یہی سمجھیں گے کہ ان کی نظر میں کوئی حدیث صحیح

ضرور ہوگی جو اس کے لیے حجت ہوگی اسکے بعد اس کے مقلد کے لئے اس کا بیان کردہ حکم شرعی ہی کافی ہے بلکہ علماء فقہاء دین کا عمل بجائے خود دلیل شرعی ہے اور اسکے خلاف اگر کوئی حدیث خواہ صحیح ہی ہو زیادہ قوی یا زیادہ معتبر نہیں چنانچہ امام ابن الحاج مکی مالکی علیہ الرحمۃ امام مالک کا ایک قول لکھتے ہیں :

"اَلْعَمَلُ اثبت من الاحادیث" علماء کا عمل حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے۔

(المدخل ج ۱ صـ ۱۲۲)

لیجئے یہ امام مالک علیہ الرحمۃ کا فرمان گرامی ہے کہ علماء دین وائمہ مجتہدین کا عمل حدیثوں سے زیادہ مستحکم ومعتبر ہے کیونکہ وہ احادیث کو اس عالم سے بہتر جانتے ہیں جو مجتہد نہ ہو۔

علماء مجتہدین کا عمل اور حدیث

امام ابن الحاج فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے پیروکار علماء نے کہا :

وانّه لضعیف ان یقال فی مثل ذٰلک حدثنی فی مثل ذٰلک فلان عن فلان۔ ایسی صورت میں حدیث سنانا اور حدثنی فلان عن فلان کہنا بہت ہی کمزور بات ہے۔

(المدخل ج ۱ صـ ۱۲۲)

یعنی جب علماء مجتہدین کا عمل معلوم ہو تو اسکے خلاف کسی حدیث کو حجت لانا کمزور اور غیر معتبر بات ہے۔ کیونکہ مجتہد جو حدیث سنانے والے کی حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے تو ضرور اسکی نظر میں اس سے بڑھکر قرآن وسنت سے قوی دلیل موجود ہوگی۔

نیز فرماتے ہیں :

وکان رجال من التابعین تبلغهم یعنی تابعین کی ایک جماعت کو جب

عن غيرهم الاحاديث فيقولون ما نجهل هذا ولكن مضى العمل على غيره۔

دوسروں سے ان کے خلاف حدیثیں پہنچتیں وہ کہتے کہ ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر عمل اس کے خلاف ہے۔

(المدخل ج ۱ صـ۱۲۲)

اس سے واضح ہو گیا کہ اگر ایک عالم کی نظر میں ایک صحیح حدیث ہے جس پر وہ عمل کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرا عالم اس پہلے عالم کی پیش کردہ حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس پہلے عالم کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ دوسرے مجتہد عالم کے پاس کوئی سند قوی نہیں ہے اور وہ یونہی عمل کئے جا رہے ہیں اور وہ کسی سند کے بغیر حدیث کے خلاف عمل کر رہے ہیں جیسا کہ ہمارے کرم فرما اہلحدیث حضرات احناف وغیرہم کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

نیز موصوف مزید لکھتے ہیں کہ

وكان محمد بن ابى بكر بن جزم ربما قال له اخوه لم تقض بحديث كذا فيقول لم اجد الناس عليه۔

امام محمد بن ابی بکر بن جزم سے بارہا ان کے بھائی کہتے تم نے فلاں حدیث کے مطابق فیصلہ کیوں نہ کیا۔ وہ فرماتے میں نے علماء کو اس پر عمل کرتے نہیں پایا۔

(المدخل ج ۱ صـ۱۲۲)

الناس علماء ہی ہیں

ہم نے الناس (آدمیوں یا لوگوں) کا ترجمہ علماء کیا ہے کیونکہ دراصل علماء ہی الناس (آدمی) ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

لا يبغي على الناس الا ولد بغى — آدمیوں پر زیادتی وہی کرے گا جو ولد الزنا

والّا من فیه عرق منه۔ ہوگا یا وہ جس میں حرامی پن کی کوئی رگ ہوگی۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص۲۳۳)

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ سیدنا امام عبداللہ بن مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

سئل ابن المبارك من الناس؟ فقال العلماء۔ امام عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ الناس (آدمیوں) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا "علماء"

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص۸ طبع مصر)

اسکے بعد امام غزالی فرماتے ہیں کہ

(ترجمہ) امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید امام عبداللہ بن مبارک نے اسے آدمی گنا ہی نہیں جو عالم نہ ہو کیونکہ انسان اور چوپایوں میں علم ہی کا فرق ہے انسان کی عظمت طاقتور جسم سے نہیں کیونکہ اونٹ اس سے زیادہ طاقتور ہے بڑی جسامت سے نہیں کیونکہ ہاتھی کی جسامت اس سے بڑی ہے۔ بہادری سے نہیں کیونکہ شیر اس سے زیادہ بہادر ہے، زیادہ خوراک سے نہیں کیونکہ بیل کی خوراک اس سے زیادہ ہے، شہوت کی وجہ سے نہیں کیونکہ چڑے میں اس سے زیادہ شہوت ہے اور آدمی تو علم کے لئے بنایا گیا ہے اور اسی سے اسکی عظمت ہے گویا جس نے علم حاصل نہ کیا اس نے آدمیت کی عظمت نہ پائی اسلئے وہ آدمی ہی شمار نہ ہوگا۔"

پھر امام موصوف مزید فرماتے ہیں کہ امام بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ امام المحدثین عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ

السنة المتقدمة من سنة اہل مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے

اھل المدینۃ خیر من الحدیث ۔ بہتر ہے

(المدخل ج ۱ ص ۱۲۲) ۔

اہلِ مدینہ کی پرانی سنت جس پر اہلِ مدینہ (مدینہ منورہ کے علماء و فقہاء) چلے آ رہے ہیں ۔ ضرور کسی دلیل ثابت پر مبنی ہوگی جس کی انتہاء مجتہد پر ہوگی اور وہ مجتہد ضرور اس حدیث سے باخبر ہوگا جو مخالف کی پیش کردہ حدیث کے خلاف اور عمل اہلِ مدینہ کے مطابق ہے اور اسکے پاس حدیثِ مخالف کا مناسب جواب ہوگا یا تاویل معقول ہوگی ۔

جناب اثری صاحب کا یہ فرمانا کہ جو شخص ائمہ مجتہدین کی اتباع کے بغیر اور ان کی تقلید سے آزاد ہو کر حدیث پر عمل کرے تو اسمیں کونسی قباحت یا برائی ہے ۔ اس سلسلے میں ہم امام ابن عیینہ علیہ الرحمۃ کا فرمان ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں ۔

حدیث، علماء کو گمراہی میں ڈالنے والی ہے سوائے مجتہدین کے

حضرت امام ابن عیینہ کس قدر عظمت و جلالت کی مالک شخصیت ہیں پہلے قارئین ان کا تھوڑا سا تعارف ملاحظہ فرمائیں ۔

یہ امام سفیان بن عیینہ مکی ہیں جو امام جعفر صادق ایسی شخصیتوں کے شاگرد اور امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ کے استاذ الاستاذ ہیں جنکی پیدائش سنہ ۱۰۷ھ کو ہوئی اور وصال ۱۹۸ھ میں ہوا ۔ جن کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ

لولا مالك وسفيان لذهب علم الحجاز ۔

اگر امام مالک اور امام سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم جا چکا ہوتا ۔

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۲۱)

اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

ما رأیت احدا من الفقہاء اعلم بالقرآن والسنن منہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۲۱)

میں نے فقہاء میں سے کوئی نہیں دیکھا جو امام ابن عیینہ سے بڑھکر قرآن و سنت کا جاننے والا ہو۔

اس امام جلیل کا ارشاد گرامی سنیئے۔ امام ابن الحاج مکی المدخل میں فرماتے ہیں کہ

قال ابن عیینہ: الحدیث مضلۃ الا للفقہاء الخ (المدخل ج ۱ ص ۱۲۲)

امام ابن عیینہ نے فرمایا، حدیث، ائمہ مجتہدین کے سوا دوسروں کے لئے گمراہ کرنے والی ہے۔

یعنی حدیثوں کو سمجھنا دراصل مجتہدین کا کام ہے۔

جناب اثری صاحب! ایسے حضرات جو خوش فہمی سے ائمہ مجتہدین کی تقلید سے آزاد ہو کر عامل بالحدیث بنے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے امام سفیان بن عیینہ کا یہ فرمان بالاعظیم رہنمائی ہے اور فیصلہ ہے کہ جو شخص درجۂ اجتہاد کو نہیں پہنچا اس کے لئے ائمہ مجتہدین و فقہاءِ کرام کی تقلید سے آزاد ہو کر حدیث پر عمل کرنا ان کو بھٹکا دے گا۔ لہٰذا ما وشما کے لئے ائمہ مجتہدین کی پیروی میں حدیث کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ کے فرمان سے مغالطہ

بعض اہلحدیث حضرات یہ فرماتے سنے گئے ہیں کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو میرا قول تمہیں کسی صحیح حدیث کے خلاف نظر آئے اسے دیوار پر دے مارو۔ یہ حکم عام ہے گویا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو ترغیب دے رہے ہیں کہ ہم ائمہ مجتہدین کی تقلید نہ کرو بلکہ حدیث پر عمل کرو۔ لہٰذا ان کے ہی فرمان کے مطابق ہمیں ان کے اقوال پر عمل کرنے کی بجائے براہِ راست حدیث پر عمل کرنا چاہیئے۔

اس کا معقول جواب یہ ہے، اور وہ یہ کہ حضرت امام شافعی کا یہ ارشاد آپ اور میرے جیسے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے ان شاگردانِ عزیز کے لئے ہے جو درجۂ اجتہاد پر

فائز تھے جیسے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے شاگردانِ رشید، امام محمد و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ چنانچہ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

وھذا الذی قالہ الشافعی لیس معناہ ان کل احد رای حدیثا صحیحا قال ھذا مذھب الشافعی وعمل بظاھرہ وانما ھذا فیمن لہ مرتبۃ الاجتھاد فی المذھب الخ

(شرح المجموع ج ۱ ص ۶۴)

یہ جو امام شافعی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا اس کا یہ معنی نہیں کہ جو شخص بھی حدیث صحیح دیکھے وہ کہہ دے کہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور اس حدیث کے ظاہر پر عمل شروع کر دے یہ فرمان تو ایسے شخص کے بارے میں ہے جسے اجتہاد فی المذہب کا مرتبہ حاصل ہو۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم نے بھی جو اس طرح کے ارشادات فرمائے ہیں کہ حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں تمہیں ہمارا کوئی قول ملے تو اس پر عمل نہ کرنا۔ اسے چھوڑ دینا اور سمجھ لینا کہ ہمارا مذہب وہی صحیح حدیث ہے، یہ بھی دراصل ان علماء کے لئے ہے جو ان کے مذہب میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں یہ ارشاد جناب اثری صاحب ایسے حضرات کے لئے نہیں جو اجتہاد تو کجا رہا حدیثوں کا صحیح مفہوم سمجھنے کی بھی اہلیت کے حامل نہیں ہیں۔ البتہ جس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہو اسمیں اہل علم کو اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنے کا ضرور حق ہے۔



وجوبِ تقلیدِ شخصی

محترم اثری صاحب لکھتے ہیں:

"سائل مفتی صاحب، ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی شرعی دلیل پیش فرماتے۔" (الاعتصام ۸ جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۱۴)

پھر لکھتے ہیں کہ

"تعجب ہے کہ خلفاءِ راشدین میں سے جو کہ مجتہد تھے کسی خلیفۂ راشد کی تقلید تو ضروری نہ ہوا ور نہ اس کے ترک تقلید سے کوئی گنہگار ہی ہو لیکن ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی تقلید بھی ضروری اور اس کی تقلید کا ترک بھی گناہ کا مستوجب قرار پائے، بتلائیے یہاں بھی اہمیت خلفاءِ راشدین کی ہے یا فقہاءِ اربعہ کی؟ الخ"

جواباً عرض ہے کہ بلاشبہ خلفاء راشدین مجتہدین تھے لیکن امورِ مملکت میں شدید مصروفیات کی وجہ سے وہ قرآن وسنت کی روشنی میں باقاعدہ مدون اور مرتب فقہی مسائل و احکام کے استنباط و استخراج نہ کرسکے یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین کی کوئی فقہ مدون و مرتب موجود نہیں ہے جبکہ اسکے برعکس اللہ تعالیٰ کے کرم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی عنایتوں اور خلفاءِ راشدین رضوان اللہ عنہم کی برکتوں کے طفیل ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو قرآن وسنت کی روشنی میں فقہی احکام و مسائل کے استنباط و استخراج کے اصول وضع کئے پھر ان اصول کی روشنی میں اجتہاد کیا جس کے نتیجہ میں ان کی فقہ مدون و مرتب شکل میں معرضِ وجود میں آئی۔ آج دنیا میں کسی خلیفہ راشد کے نام سے مدون و مرتب فقہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی تابعی و تبع تابعی

اور نہ ہی ان کے بعد کسی اور مجتہد کی فقہ مدوّن و مرتب ہے جس کی لوگ پیروی کرتے اور ضرورت کے وقت اس سے مسائل و احکام معلوم کرتے ہوں موجود ہے تو صرف اور صرف ان چار مجتہدین فقہاء کی فقہ موجود ہے اور ان کی فقہ ان کی طرف صحیح طور پر منسوب ہے یوں نہیں کہ کسی نے اپنی طرف سے فقہ گھڑ کر ان کی طرف منسوب کر دی ہو جیسے شیعہ علماء نے اپنی طرف سے فقہ گھڑی اور ائمہ اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی طرف منسوب کر دی۔ نیز اگر چار ائمہ مجتہدین کے علاوہ کسی امام کی فقہ مرتب ہو بھی تو انہیں وہ انضباط وہ جامعیت و وسعت اور وہ تحقیق دیکھنے میں نہیں آئی جو ان چار ائمہ دین مجتہدین کی فقہ میں دیکھنے میں آتی ہے ایسے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے نازل کردہ ذکر (شریعتِ مطہرہ) کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسکے پورا فرمانے میں اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ سے خصوصی کام لیا ہے۔ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں جو اجتہاد ہوا وہ خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں نہیں چنانچہ اہلحدیث حضرات کے ممدوح و امام جناب شاہ اسمٰعیل دہلوی جنہیں آپ لوگ شہید کا رتبہ دیتے ہیں اپنی مشہور کتاب "صراطِ مستقیم" میں حُبِّ ایمان کے دُوسرے ثمرہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

" مجتہدین کے اجتہاد کا امر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اسقدر جلوہ گر ہوا کہ اس کا عشرِ عشیر بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں نہیں ہوا تھا "

(صراطِ مستقیم ص۶۸)

اہلحدیث حضرات کے امام کے ارشاد بالا سے اثری صاحب کے اعتراض مذکور کے تمام پہلوؤں کا جواب آگیا۔

نیز اہلحدیث حضرات کے یہی امام اپنی اسی کتاب میں تیسری تمہید کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل اسلام میں مروج ہے بہت عمدہ ہے۔" (صلا۱۱)

جناب اثری صاحب اپنے امام کی بات کا غور سے جائزہ لیں تو صراطِ مستقیم کی بالا مذکورہ عبارتوں میں ان کے تمام اعتراضات کے جوابات آجاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اثری صاحب عقل و شعور سے ملاحظہ فرمائیں۔

نیز اہل حدیث حضرات کے ہم مسلک علامہ سلیمان بن سحمان نجدی اپنی کتاب "الهدية السنية" جس میں وہ جلالۃ الملک امام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آلِ سعود بادشاہ سعودی عرب کے حکم سے اپنے امام مسلک جناب ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد و خیالات کی ترجمانی فرماتے ہیں۔ جس کا ترجمہ اہلحدیث حضرات کے دو پیشواؤں مولانا اسمٰعیل غزنوی اور مولانا محمد داؤد غزنوی نے اردو میں فرمایا اور اس کا اردو نام "تحفۂ وہابیہ" رکھا اور اسے یکم جنوری ۱۹۲۷ء کو امرتسر سے شائع کیا، وہ لکھتے ہیں:

"ہم (وہابی علماء ہم مسلک اہلحدیث) فروعی مسائل میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر ہیں۔ چونکہ ائمہ اربعہ ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا طریقہ منضبط ہے اس لئے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے (الیٰ ان قال) ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کریں۔"

(تحفۂ وہابیہ صلا۶ طبع امرتسر ۱۹۲۷ء)

لیجئے جناب اثری صاحب ہم سے جواب مانگتے تھے ہم نے خود انہی کے ہم مسلک اور ان کے بقول انکے اہل توحید بھائی سے دلوا دیا۔ اس جواب سے درج ذیل باتیں واضح ہوگئیں۔

(۱) ایک یہ کہ اہلحدیث حضرات کے ہم مسلک بھائی (علماء وہابیہ نجدیہ) فروعی مسائل میں حنبلی ہونے کے مدعی ہیں۔

(۲) دوسری یہ کہ ائمہ اربعہ کی فقہ منضبط ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ علماء نجدیہ جو اہلحدیث حضرات کے ہم مسلک بھائی ہیں ان کے نزدیک ائمہ اربعہ کے مقلد بُرے نہیں ہیں۔

(۴) چوتھی یہ کہ ۱۹۲۷ء تک عرب میں سب کے سب لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد ہوتے تھے یعنی عرب میں اہلحدیث یا غیر مقلد قسم کے لوگ نہیں ہوتے تھے۔ اسی طرح عجم ہند میں بھی نہ تھے۔

چنانچہ اہلحدیث حضرات کے امام و مولانا ثناء اللہ امرتسری نے "شمع توحید" میں لکھا ہے کہ

"آج سے اسی سال قبل تقریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آجکل حنفی بریلوی خیال کیا جاتا ہے۔"

(شمع توحید ص ۴۰ طبع مکتبہ ثنائیہ سرگودھا مطبوعہ ۱۹۵۶ء)

اہلحدیث حضرات کے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور علماء وہابیہ کے مولانا سلیمان بن سحمان نجدی کے مذکورہ بالا دونوں حوالوں سے ثابت ہوا کہ ۱۹۲۷ء تک عرب کی سرزمین پر کوئی اہلحدیث و غیر مقلد نہ تھا اور نہ ہی کسی کو ائمہ اربعہ کی تقلید

سے دست بردار ہونے کی اجازت تھی اور یہ کہ ۱۸۵۶ء یعنی ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی ہندوستان سے ایک سال قبل تک ہندوستان کے تمام مسلمان نہ صرف حنفی تھے بلکہ سب کا عقیدہ و مسلک وہی تھا جو مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کا مسلک تھا جبکہ اس وقت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کی عمر شریف دو سال کی تھی کیونکہ

ان کی پیدائش ۱۸۵۶ء کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کوئی نیا عقیدہ یا نیا مسلک نہیں لائے بلکہ وہ اسی مسلک پر تھے اور اسی مسلک کے داعی رہے جو ان سے پہلے کے علماء اہلسنت کا عقیدہ و مسلک تھا لہٰذا اس مسلکِ حق کو بریلوی مسلک کہنا اور اسے مولانا شاہ احمد رضا بریلوی کا ایجاد کردہ مسلک ٹھیرانا محض تعصب و زیادتی ناانصافی اور تاریخ سے ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دینے کے مترادف ہے جسے ایک بہت بڑی تاریخی سازش ہی کہا جاتا ہے۔

جبکہ اسکے برعکس حقیقت یہ ہے کہ مولانا شاہ احمد رضا علیہ الرحمۃ مسلمانانِ برصغیر بلکہ مسلمانانِ عالم کے محسن ہیں کہ انہوں نے کسی لومۃ لائم کے خوف سے بے نیاز اور اعداء دین کے ہر شور و شر سے نڈر ہو کر اپنی خداداد علمی و ایمانی قوت سے اسی عقیدہ و مسلک کا تحفظ فرمایا جو قدیم سے چلا آرہا تھا جس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو صحابہ کرام نے تابعین کو تابعین نے تبع تابعین کو دی جس کے حامل ائمہ مجتہدین تھے جس کا ماخذ کتاب اللہ و سنت مصطفٰی علی صاحبہا التحیۃ والثناء اور امت مسلمہ کے اجماع کے سوا کچھ نہیں جس پر چلنے والا فرقہ ناجیہ میں ہی شمار ہوتا ہے۔
لہٰذا مولانا شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ بلاشبہ ائمہ اہلسنت میں سے ایک امام اور حق و صداقت کی صمصام بے نیام تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فرمان

اہل حدیث شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو اپنے علماء اہلحدیث میں سے شمار فرماتے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں مثلاً تذکرہ علماء اہلحدیث وغیرہ سے واضح ہے وہ اپنی کتاب "عقد الجید" میں لکھتے ہیں۔

"باب ۳ تاکید الاخذ بھذہ المذاھب اس باب سوم میں بیان کیا جائیگا کہ ان

الاربعة والتشدید فی ترکها و
الخروج عنها اعلم ان فی
الاخذ بهذه المذاهب الاربعة
مصلحة عظیمة وفی الاعراض
عنها کلها مفسدة کبیرة
(الی ان قال) ولیس مذهب
فی هذه الازمنة المتأخرة
بهذه الصفة الا هذه المذاهب
الاربعة اللهم الا مذهب
الامامیة والزیدیة وهم
اهل البدعة لا یجوز الاعتماد
علی اقاویلهم وثانیا قال
رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم
اتبعوا السواد الاعظم ولما
اندرست مذاهب الحقة
الا هذه الاربعة کان
اتباعها اتباعا للسواد
الاعظم والخروج عنها
خروجا عن السواد الاعظم۔
(عقد الجید ص۵۳ تا ۵۷)

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنا ضروری
اور ان کو چھوڑنا اور ان سے باہر ہونا
سخت بری بات ہے۔ معلوم ہو کہ ان
چاروں مذہبوں (حنفی و مالکی و شافعی و حنبلی)
کے اختیار کرنے میں زبردست مصلحت
اور ان سے انحراف کرنے میں زبردست
فساد ہے۔ اور ان آخری زمانوں میں
ان چاروں مذہبوں کے سوا کوئی مذہب
قابل اعتماد نہیں ہے بمشکل امامیہ اور زیدیہ
کا مذہب ملتا ہے اور وہ اہل بدعت ہیں
ان کی باتوں پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے
ان چاروں مذہبوں کے حق ہونے کی
دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی بڑی
جماعت کی پیروی کرو اور جب کہ ان چاروں
مذہبوں کے سوا دوسرے مذاہب حقہ
باقی نہیں رہے تو ان چاروں مذہبوں کی
اتباع سواد اعظم کی اتباع اور
ان کو چھوڑنا سواد اعظم کو چھوڑنا قرار
پائیگا۔

کیوں جناب اثری صاحب! آیا کچھ سمجھ شریف میں؟ جناب والا نے ائمہ کی تقلید کرنے اور خلفاء راشدین کی نہ کرنے کا جو سوال فرمایا ہے اس کا جواب جناب والا کے مسلم امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرمانِ ذی شان سے موصول ہو گیا۔

استخراج مسائل

اب ہم شاہ صاحب کے فرمانِ مذکور کی روشنی میں معلوم ہونے والے مسائل قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ چاروں مذہبوں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں سے کسی ایک کا مسلک اختیار کرنا مؤکد (ضروری ہے)

(۲) دوسرا یہ کہ ان مذاہب کو چھوڑنا اور ان سے باہر ہونا سخت بُری بات ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں عظیم الشان مصلحت و بھلائی ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ ان چاروں مذہبوں کے چھوڑنے میں بہت بڑا فساد ہے۔

(۵) پانچواں یہ کہ ان چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کو اختیار کرنیوالا مصلحت و بھلائی پہ چلنے والا ہے۔

(۶) چھٹا یہ کہ ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک کو اختیار نہ کرنے والا بہت بڑا فسادی ہے (اِلّا یہ کہ وہ مجتہد ہو)

(۷) ساتواں یہ کہ حنفی و مالکی و شافعی اور حنبلی حق پر ہیں کہ وہ مصلحت پہ ہیں۔

(۸) آٹھواں یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید ترک کر کے اہلحدیث کہلانے والے حضرات فساد کا شکار ہیں۔

(۹) نواں یہ کہ ان چاروں مذہبوں کے سوا کوئی مذہب ایسا باقی نہیں رہا جس پہ

اعتماد کیا جاسکے۔

(۱۰) دسواں یہ کہ امامیہ وزیدیہ (شیعوں کا) مذہب بدعت ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا (کیونکہ ان کے علماء نے اپنی طرف سے فقہ گھڑ کے ائمہ اہلبیت کی طرف منسوب کر ڈالی ہے)۔

(۱۱) گیارہواں یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سوادِ اعظم (امت مسلمہ کی بڑی جماعت) کی پیروی کا حکم فرمایا ہے۔

(۱۲) بارہواں یہ کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب اربعہ کے سوا دیگر مجتہدین کے مذاہب عملاً مٹ گئے ہیں کیونکہ ان کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔

(۱۳) تیرہواں یہ کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب ہی امت میں رائج چلے آ رہے ہیں اور روئے زمین پر اکثریت ان کے ماننے اور ان کی پیروی کرنے والوں کی ہے لہٰذا یہی (ائمہ اربعہ کے پیروکار) سوادِ اعظم ہیں۔

(۱۴) چودہواں یہ کہ ان چاروں مذہبوں کی پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کے مطابق سوادِ اعظم کی پیروی ہے۔

(۱۵) پندرہواں یہ کہ ان مذاہب اربعہ سے باہر جانا سوادِ اعظم سے باہر جانا ہے۔

(۱۶) سولہواں یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل چونکہ واجب ہے، اس لئے ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہے۔

(۱۷) سترہواں یہ کہ واجب کا ترک گناہ ہے لہٰذا ائمہ اربعہ کی تقلید کا تارک واجب کا تارک ہے۔

(۱۸) اٹھارہواں یہ کہ واجب کا تارک فاسق ہے لہٰذا ائمہ اربعہ کی تقلید کا منکر و تارک فاسق العقیدہ اور فاسق العمل ہے۔

(نوٹ) یہ مسائل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے اخذ کئے گئے ہیں۔

نوٹ: یہ بھی واضح ہو کہ تقلید اس پر واجب ہے جو مجتہد نہ ہو اور جو عالم مجتہد ہو اس پر کسی کی تقلید واجب نہیں ہے اور یہ کہ اجتہاد متجزی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عالم بعض مسائل میں کما حقہٗ تحقیق کر کے درجۂ اجتہاد تک رسائی حاصل کر لے تو وہ ان مسائل میں جن میں اس نے کما حقہٗ تحقیق کی مجتہد ہوگا ان میں کسی دوسرے مجتہد کی پیروی اس پر لازم نہ ہوگی اور باقی مسائل میں لازم ہوگی۔ اس قسم کے علمائے کرام محققین پیدا ہوتے چلے آئے ہیں اور آج بھی ہو سکتے ہیں۔

ہم نے اسکی مدلل بحث اپنی کتاب "اجتہاد کی اہمیت و ضرورت" میں کر دی ہے جو عنقریب انشاءاللہ چھپ کر آ جائے گی۔

ایک اعتراض اور جواب

یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید ضروری نہیں ہے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے کیونکہ بعض ان سے خطا ہو جاتی تھی چنانچہ امام ابو حنیفہ بعض اوقات پہلے ایک رائے قائم کر لیتے تھے بعد میں ان کے شاگرد دلائل کے ذریعے انہیں ان کی خطاء کی طرف متوجہ کرتے تو وہ اپنی پہلی رائے ترک کر کے اپنے شاگردوں، جو خود ان کے مقلد و تابع تھے، کی رائے کو اختیار کر لیتے تھے جس سے ظاہر ہوا کہ وہ لائق اتباع نہ تھے لہٰذا ان کی تقلید کو واجب کہنا درست نہیں ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ ائمہ دین مجتہدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے امین، آپ کے علوم شریعہ کے حامل اور آپ کے اوصاف کریمہ کے مظہر تھے۔ یہ حضرات بعض اوقات ایک مسئلہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد فرماتے اور اس اجتہاد کی روشنی میں اس مسئلہ کے بارے میں ایک

رائے قائم کر لیتے اور بلاشبہ ان کے نزدیک وہ رائے صحیح اور درست ہوتی تھی مگر بعد میں اپنے شاگردان گرامی کے ساتھ بحث و مباحثہ کے دوران اگر ان پر واضح ہو جاتا کہ ان کی قائم کردہ رائے کے مقابلہ میں ان کے شاگردوں کی رائے زیادہ درست یا زیادہ قرین مصلحت ہے یا اس میں عامۃ المسلمین کی بھلائی زیادہ ہے تو وہ اپنی رائے کو واپس لے لیتے تھے اور یہ کوئی نقص یا عیب کی بات نہیں بلکہ یہ ایک خوبی ہے جو علماء دین متین و ائمہ مجتہدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثہ میں ملی ہے اسے عیب و نقص قرار دے کر ائمہ دین کو لائق اتباع قرار نہ دینا سنت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

اس سلسلے میں ہم خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل بطور حسین نمونہ عمل پیش کرتے ہیں۔

(۱) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرام کے درمیان سے اٹھ کر ایک باغ میں تشریف لے گئے سب سے پہلے آپ کی خدمت میں حضرت ابوہریرہ جا کر حاضر ہوئے آپ نے اپنی دونوں جوتیاں مبارک حضرت ابوہریرہ کو دے کر روانہ فرمایا کہ اس باغ سے باہر جو شخص تمہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی گواہی دینے اور اس پر یقین رکھنے والا تمہیں ملے تم اسے جنت کی خوشخبری دیدو۔ حضرت ابوہریرہ کو راستہ میں سب سے پہلے حضرت عمر ملے، انہوں نے پوچھا اے ابوہریرہ، یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟ انہوں نے ساری بات بیان کی۔ اس پر حضرت عمر نے ان کے سینے پر دھکا مارا اور آگے نہ جانے دیا بلکہ انہیں واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ حضرت ابوہریرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر کی زبردستی کا ذکر کیا۔

آپ نے پوچھا کہ عُمر تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ
میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ نے ابو ہریرہ کو یہ جنت
کی خوشخبری سنانے کو روانہ فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔
حضرت عمر نے عرض کی " فلا تفعل " کہ حضور! ایسا نہ فرمائیں۔

فانی اخشی ان یتکل الناس فخلھم یعملون قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخلھم۔

کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے عمل کرنا نہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ انہیں چھوڑ دو تاکہ وہ عمل کریں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص۴۵ - ۴۶)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں کہ

وفیه اشارۃ بعض الاتباع علی المتبوع بما یراہ مصلحۃ وموافقۃ المتبوع له اذا راہ مصلحۃ ورجوعه عما امر به بسببه۔

(شرح مسلم ج ۱ ص۴۶)

اور اس (حضرت عمر کے عرض کرنے اور حضور کے قبول فرمانے) میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ بعض خادم اپنے مخدوم کو اس رائے کو قبول کرنے کا مشورہ دے سکتے ہیں جس میں وہ مصلحت دیکھیں اور یہ کہ مخدوم جب اسمیں مصلحت دیکھے تو خادم کی مان لے، خادم کی رائے کی وجہ سے اپنے حکم سے رجوع کر لے۔

⁂

(۲) اسی طرح وہ واقعہ بھی توجہ طلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے پہلے قلم دوات طلب فرمایا اور کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا مگر حضرت عمر کی رائے پر اپنا ارادہ ترک فرما دیا۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ استاذ یا مخدوم اگر شاگرد یا خادم کی رائے کو زیادہ مصلحت آمیز دیکھے تو اپنی رائے سے رجوع کرلے یہ نقص نہیں خوبی ہے۔

اسی طرح حضرات ائمہ کرام اور بالخصوص حضرت امام ابوحنیفہ نے بعض اوقات بعض مسائل میں اپنے شاگردوں کی رائے کو اپنی رائے کے مقابلہ میں عامۃ المسلمین کیلئے زیادہ مصلحت آمیز پایا تو اپنی رائے سے رجوع فرمایا۔ یہ ایک کمال ہے جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثہ میں ملا ہے اسے نقص قرار دے کر ان مقدس ہستیوں کو لائق اتباع نہ ٹھیرانا رموز شرع سے بے خبری کے سوا کچھ نہیں۔

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول نہ فرماتے بلکہ اپنی سابق رائے پر قائم رہتے تو وہی سابق رائے واجب الاتباع ہوتی اسی طرح یہ ائمہ کرام بالعموم اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم وعنہ نے بھی جو بعض اوقات بعض مسائل میں اپنے شاگردوں کی مدلل رائے سے اتفاق فرمایا اور اپنی رائے کو ترک کر دیا اگر وہ ایسا نہ کرتے بلکہ اپنی رائے پر قائم رہتے تو مقلدین کے لئے وہی رائے واجب الاتباع ہوتی۔ لیکن جب انہوں نے اسے ترک کر کے دوسری رائے جو ان کے نزدیک امت کے لئے زیادہ مفید و باعث مصلحت تھی، کو اختیار کر کے امت سے بھلائی اور امت پر احسان فرمایا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کرنا امت پر احسان عظیم فرمایا کہ ان میں جذبہ عمل کو متاثر کرنیوالی بات سے رجوع فرمالیا۔ ائمہ مجتہدین متبعین کا بعض مسائل میں رجوع اسی رجوع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کی ہی ایک کڑی اور نور علم و کمال مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ایک جھلک تھی جس کا ائمہ مجتہدین سے بعض اوقات ظہور ہوا۔ لہٰذا اسے ائمہ پر طعن کی بجائے ان کی خوبی تصور کرنا چاہیئے۔

ممانعت تقلید صحابہ | گذشتہ شمارہ میں ہم جناب اثری صاحب کے اس سوال کا جواب کہ صحابہ کرام کی بجائے ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں ؟

اثری صاحب کے ممدوح امام شاہ اسمٰعیل دہلوی کی صراط مستقیم کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں کہ تحقیق و اجتہاد کا جو کام ائمہ مجتہدین (خصوصاً ائمہ اربعہ) کے دور میں ہوا صحابہ کرام کے زمانہ میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔

ان کے علاوہ ہم امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف امام ابن ہمام م ۸۶۱ھ رحمہ اللہ کی مشہور کتاب " التحریر فی اصول الفقہ الجامع بین اصطلاحی الحنفیۃ والشافعیۃ" سے بھی ایک حوالہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ چنانچہ امام موصوف کتاب مذکور کے آخر میں تکملہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ

نقل الامام اجماع المحققین	امام نے علماء محققین کا اس بات پر اجماع
علی منع العوام من تقلید	نقل کیا کہ عوام کو حضرات صحابہ کرام کی
اعیان الصحابۃ بل من بعدھم	تقلید سے منع کیا جائے گا بلکہ صحابہ کرام کے
الذین سبروا و وضعوا ودونوا	کے بعد آنیوالے ان مجتہدین کی تقلید
وعلی ھذا ما ذکرہ بعض	کا کہا جائیگا جنہوں نے اجتہاد کئے فقہ کے
المتاخرین منع تقلید غیر	اصول وضع کئے احکام مسائل ترتیب
الاربعۃ لانضباط مذاھبھم	دیئے اور اسی پر مبنی ہے وہ بات جو بعض
وتقیید مسائلھم وتخصیص	متاخرین نے کہی کہ ائمہ اربعہ کے سوا دوسروں
عمومھا ولم یدر مثلہ فی	کی تقلید سے عوام کو منع کیا جائیگا کیونکہ
غیرھم الآن لانقراض اتباعھم	ائمہ اربعہ کے مذاہب منضبط اور ان کے

وھو صحیح۔

(التحریر مع التیسیر ج ۴ ص ۲۵۶)

مسائل مطلق سے مقید ہوئے اور مسائل کے عموم کی تخصیص عمل میں آئی اسکی مثال ان کے غیر میں نہیں ملتی کیونکہ غیر ائمہ اربعہ کے پیروکار نہیں رہے اور یہ بات صحیح ہے۔

تشریح و مطلب

امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے امام ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی النیشاپوری المعروف امام الحرمین متوفی ۴۷۸ھ رحمہ اللہ کا فرمان ذی شان نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی کتاب البرہان فی اصول الفقہ میں ارشاد فرمایا۔ امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کی تشریح و مطلب یہ ہے کہ عوام کو حضرات صحابہ کرام کی تقلید سے منع کیا جائے گا اور ان ائمہ مجتہدین کی تقلید کا کہا جائیگا جنہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں اصول و ضع فرما کر ان کے تحت نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے جوابات دیئے بلکہ انہوں نے عقلی و نقلی ضوابط و دلائل کے لیے چراغ روشن کر دیئے جنکی ضیا پاشیوں میں قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا حل دریافت ہوتا رہے گا امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے اسکے بعد فرمایا کہ بعض متاخرین (یعنی امام و محدث و حافظ شیخ الاسلام ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمن شہرزوری المعروف امام ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ رحمہ اللہ تعالیٰ) نے امام الحرمین کے قول مذکور کی بنیاد پر فرمایا کہ عوام کو ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے اماموں کی تقلید سے منع کیا جائیگا۔ اس لیے نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی مجتہد ہی نہیں ہوا بلکہ بہت سے مجتہد ہوئے بلکہ اس لئے کہ ان ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) کے مذاہب فقہ محفوظ و منضبط (اصولوں کے تحت فروعات کے ساتھ منقول) چلے آرہے ہیں کہ انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے

مسائل مطلقہ کی تقیید اور ان کے عموم کی تخصیص فرمائی اور شریعت کے احکام کو بالکل نکھار کر رکھدیا اور اس وقت ان ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور مجتہد کا مذہب فقہی اور ان کے پیروکار باقی نہیں رہے ہے بلکہ روئے زمین پر ان چاروں اماموں کے ہی مقلد پائے جاتے ہیں اور ان چاروں مذہبوں کے سوا کسی اور امام مجتہد کا مذہب اگرچہ کتابوں میں منقول ہے ہم قطعی ویقینی سند کے ساتھ نہیں ملے گا جیسا کہ ان ائمہ اربعہ کا مذہب ان کے پیروکاروں کے ذریعے قطعی ویقینی طور پر اور تواتر وشہرت کے ساتھ منقول چلا آرہا ہے۔

جناب اثری صاحب کی داد اور مہربانیاں

اسکے بعد محترم اثری صاحب نے امام ابن تیمیہ کی ایک درج ذیل عبارت نقل فرمائی ہے اور اس کا درج ذیل ترجمہ بھی فرمایا:

ان اهل السنة لم يقل احد منهم ان اجماع الفقهاء الاربعة حجة معصومة ولا قال ان الحق منحصر فيها وان ما خرج عنها باطل الخ	یعنی اہل سنت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ائمہ اربعہ کا اجماع حجت ہے اور نہ ہی کسی نے یہ کہا ہے کہ حق ائمہ فقہاء میں منحصر ہے اور ان سے خروج باطل ہے۔

امام ابن تیمیہ کے حوالہ مذکورہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ فقہاء اربعہ کا اجماع حجت معصومہ نہیں دوسری یہ کہ حق کے ان میں منحصر ہونے کا کسی اہلسنت نے نہیں کہا۔ ہم دونوں باتوں پر ترتیب وار گفتگو کریں گے۔ جناب اثری صاحب نے امام ابن تیمیہ کی مندرجہ بالا عبارت کے ترجمہ میں دو داد مہربانیاں فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ امام موصوف کی عبارت میں جو خط کشیدہ عبارت "حجة معصومة" ہے اثری صاحب نے اس میں خیانت فرمائی ہے کہ لفظ "حجة" کا ترجمہ حجت تو کر دیا

مگر لفظ "معصومۃ" کا ترجمہ اڑا گئے حالانکہ امام ابن تیمیہ کی عبارت مذکورہ میں اسی ایک لفظ سے ہی جھگڑا ختم ہو جاتا ہے مگر امام ابن تیمیہ کا یہ لفظ محترم ازہری صاحب کے مسلک کے خلاف جاتا تھا اس لئے انہوں نے اسے اڑا دیا۔ کیونکہ امام ابن تیمیہ دراصل ائمہ اربعہ کے اجماع کے حجت ہونے کا انکار نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس کے حجت معصومہ ہونے کا انکار کر رہے ہیں یعنی ایسی حجت، جس کی اتباع فرض اور اس سے انحراف باطل اور گناہ قرار پائے۔ کیونکہ "معصومہ" کے معنی خطاء سے قطعی پاک کے ہیں چنانچہ ہم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معصوم کہتے ہیں کہ ان کے فرمان کے خلاف عمل کرنا گناہ ہے۔ امام ابن تیمیہ کی یہ بات بالکل بجا اور صحیح ہے کہ ائمہ اربعہ کا اجماع و اتفاق ایسی حجت نہیں ہے جو خطاء یا احتمال خطا سے قطعی طور پر پاک ہو کیونکہ "حجت معصومہ" صرف اور صرف قرآن و سنت اور اجماع امت (تمام امت کے علماء اہلسنت کا اجماع) ہے۔ محترم ازہری صاحب نے امام ابن تیمیہ کی عبارت سے لفظ "معصومہ" کا ترجمہ اڑا کر عبارت کے مفہوم کو ہی برعکس کر ڈالا ہے۔ بلاشبہ ائمہ اربعہ کا اجماع حجت ہے مگر ایسی حجت نہیں کہ اسکے خلاف کسی مجتہد کے اجتہاد کو باطل قرار دیا جائے۔ لہٰذا بالفرض اگر کسی شخص کو ائمہ اربعہ کے علاوہ امام سفیان ثوری و امام اوزاعی و امام لیث بن سعد وغیرہم ایسے پہلے کے یا بعد کے ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام مجتہد کا مذہب یقینی طور پر معلوم ہو اور وہ اسکی اتباع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے ورنہ

اسے ائمہ اربعہ میں سے ہی کسی ایک امام کی تقلید کرنا ہوگی۔ چنانچہ علامہ کامل استاذ فاضل محمد امین المعروف امیر بادشاہ حسینی مکی متوفی حوالی ۹۸۰ھ اپنی کتاب "تیسیر التحریر" میں فرماتے ہیں:

ان تحقق ثبوت مذهب عن واحد منهم جاز تقليده وفاقا	یعنی اگر ان دوسرے ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا مذہب یقینی طور پر ثابت ہو جائے

والا فلا قال ابن المنير	تو بہ اتفاق اسکی تقلید بھی جائز ہوگی اور
یتطرق الی مذاهب	اگر ثابت نہ ہو تو جائز نہیں ۔ امام ابن المنیر
الصحابة احتمالات لا یمکن	نے فرمایا کہ صحابہ کرام کے مذاہب فقہیہ
العامی معها من التقلید ثم	کی طرف کئی ایک احتمالات راستہ پاتے
قد یکون الاسناد الی الصحابی	ہیں کسی عام آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ
لا علی شروط الصحة وقد	ان احتمالات کے ہوتے ہوئے صحابہ کی
یکون الاجماع انعقد	تقلید کرسکے پھر بعض اوقات مذہب
بعد ذلك القول علی قول آخر	کی سند جو صحابی کی طرف جاتی ہے وہ
(تیسیر التحریر ج ۴ ص ۲۵۶)	صحت کے شرائط پر پوری نہیں اترتی اور بعض

اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس صحابی کے قول کے مقابلہ میں کسی دوسرے قول پر اجماع منعقد ہو۔

امام ابن المنیر ان کا اسم گرامی علی محمد کنیت، ابوالحسن، لقب زین الدین عرف امام "ابن المنیر"، محدث اور صحیح بخاری کے شارح ہیں ان کی وفات ۶۹۵ھ میں ہوئی۔

عبارتِ مذکورہ سے بھی ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرام کی تقلید عوام کے لئے ممکن نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی غلط ثابت ہوگئی کہ ہم احناف، یا دوسرے علماء اہلسنت ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام مجتہد کی تقلید کو جائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی یہ بات درست ہے کہ ہم ائمہ اربعہ کے بعد کسی اور مجتہد مطلق کا ہونا ممکن یا جائز نہیں مانتے مگر یہ بات بھی مسلم ہے کہ جواز یا امکان کو وقوع مستلزم نہیں یعنی کسی چیز کے ہوسکنے کو ہو یا ہوجانا لازم نہیں ہے بظاہر ایسے لگتا ہے کہ ان جیسا مجتہد اب قیامت تک پیدا نہیں ہوگا، مجتہد تو ہوسکتے ہیں اور ہوتے رہیں گے مگر ان جیسا مجتہد پیدا ہونا ظاہر حالات کی رو سے ممکن نظر نہیں آتا کیونکہ علم روز بروز کم ہوتا جاتا رہا ہے جب

ایک عام عالم دین دنیا سے اُٹھ جاتا ہے تو اس کا خلا بھی آسانی سے پر نہیں ہوتا امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد بن حنبل جیسا پیدا ہونا تو اور زیادہ مشکل ہے۔

تفسیر بیضاوی کے مصنف امام قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ اپنی مشہور تصنیف منہاج الاصول میں فرماتے ہیں کہ

قال امام الحرمین فی البرهان اجمع المحققون علی ان العوام لیس لهم ان یتعلقوا بمذهب اعیان الصحابة رضی الله عنهم بل علیهم ان یتبعوا مذاهب الائمة الذین سبروا فنظروا وبوبوا الابواب وذکروا اوضاع المسائل لانهم اوضحوا طرق النظر وهذبوا المسائل وبینوها وجمعوها وذکر ابن الصلاح ایضا ما حاصله انه یتعین تقلید الائمة الاربعة دون غیرهم لان مذاهب الاربعة قد انتشرت وعلم تقیید مطلقها وتخصیص عامها ونشرت فروعها بخلاف غیرهم رضی الله عنهم وارضاهم وحشرنا فی زمرتهم انه رحیم

امام الحرمین نے برہان میں فرمایا کہ محققین نے اس بات پر اجماع کیا کہ عوام کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضرات صحابہ کرام کے مذہب فقہی سے وابستہ ہوں بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ ان (ائمہ اربعہ) کے مذہبوں کی اتباع کریں جنہوں نے اجتہاد کیا اور غور و فکر کیا اور کتابیں تصنیف کر کے ان کے باب بنائے اور مسائل کے اسباب علل بیان کئے غور و فکر کے طور طریقے بتائے اور مسائل کو خوب چھانٹا اور انکو درست کیا اور ان کو جمع کیا اور امام ابن الصلاح علیہ الرحمۃ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عوام کو ائمہ اربعہ کی ہی تقلید کرنا ضروری ہے کسی اور کی نہیں کیونکہ ائمہ اربعہ کے مذاہب دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے مسائل کے مطلق کی تقیید اور ان کے عام کی تخصیص معلوم ہو چکی دوسرے مجتہدین کے مذاہب کا معاملہ

ودود۔ ایسا نہیں اللہ ان سے راضی ہوا اور ان کو راضی فرمائے اور ہمیں ان کے گروہ میں اٹھائے بے شک وہ بیحد مہربان اپنے بندوں سے محبت فرمانے والا ہے۔ آمین

استخراج مسائل

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اور امام ابن الصلاح متوفی ۶۴۲ھ کی مذکورہ عبارتوں سے درج ذیل مسائل معلوم ہوئے۔

(۱) ایک یہ کہ عوام کو حضرات صحابہ کرام کے مذہب کی تقلید نہیں کرنا چاہیئے اور اسکی تین وجوہ ہیں۔

تقلید مذہب صحابہ

کیونکہ صحابہ کرام کے اقوال میں بسا اوقات کئی ایک معنوں کا احتمال ہوتا ہے اور یا ان کے قول کی سند صحت کے شرائط پر پوری نہیں اترتی اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے قول کے مقابلہ میں دوسرے کے قول پر اجماع ہوچکا ہوتا ہے۔

عوام میں استعداد علمی صلاحیت نہیں کہ وہ صحابہ کرام کے اقوال کی تحقیق کریں کہ آیا یہ قول ان مذکورہ تین وجوہ میں سے کسی وجہ پر مشتمل تو نہیں ہے۔ نہ تو ان میں علمی صلاحیت واستعداد ہے اور نہ ہی انہیں اپنے معاش و روزگار سے فرصت ملتی ہے کہ وہ ایسی تحقیقیں کریں۔ اگر عوام ایسی تحقیقوں میں لگ جائیں تو ان کے معاش و روزگار کا معاملہ معطل ہوجائیگا۔ چنانچہ امام جلال الدین عبدالرحیم بن الحسن الاسنوی الشافعی المتوفی ۷۷۲ھ نہایۃ السول شرح منہاج الاصول میں فرماتے ہیں کہ

انهم لو كلفوا تقليد الصحابى — اگر عوام کو صحابہ کے اقوال کی تقلید کا

لكان فيه من المشقة عليهم من تعطيل معايشهم وغير ذلك مالا يخفى۔ (نهاية السول ج ۴ ص۳۶۱)

پابند کیا جائے تو اس میں ان پر مشقت مسلط ہو جائیگی کہ ان کے روزگار و معاش وغیرہ کا سلسلہ معطل ہو کر رہ جائے گا جو اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔

یعنی ان کو پھر ان اقوال کی چھان بین کرنا کرانا ہوگی اس سلسلے میں اپنے کاروبار بھی ترک کر کے دور دراز تک کے سفر کرنا ہوں گے جس سے ان کی روزمرہ کی معاشی مصروفیات ختم ہو کر رہ جائیں گی کیونکہ صحابہ کے مذاہب باقاعدہ مدون و مرتب نہیں ہیں البتہ فقہاء اربعہ کے مذاہب چونکہ مدون و مرتب ہیں اس لئے ان کو گھر بیٹھے ان کی کتابوں یا قریب جوار کے علماء کے ذریعے ان کے فتاوٰی معلوم ہو سکتے ہیں اور ان کے فتاوٰی کی بنیاد بھی یا احادیث ہیں یا اقوال صحابہ و تابعین اور بعض ان کے اجتہاد ہیں جو انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی ہی میں کئے۔

(۲) دوسرا یہ کہ ائمہ اربعہ کی تقلید متعین ہے۔ لہٰذا عوام کو ائمہ اربعہ میں سے ہی کسی کی تقلید کرنا ضروری ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ حق ائمہ اربعہ میں منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ دیگر مجتہدین کے مذاہب دنیا میں اب عملاً باقی نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ کے قول کا جواب

محترم اثری صاحب نے جو امام ابن تیمیہ کی یہ جو دوسری بات نقل کی کہ "اہلسنت میں سے کسی نے نہیں کہا کہ حق ان چاروں میں منحصر ہے اور جو ان کے علاوہ ہے وہ باطل ہے" امام ابن تیمیہ نے بھی حقیقت شناسی کا ثبوت نہیں دیا اور خلاف واقعہ بات کہدی۔ کیونکہ یہ امام قاضی ناصر الدین بیضاوی

متوفی ۶۸۵ھ اور امام ابن الصلاح م ۶۴۲ھ امام ابن تیمیہ سے پہلے کے بزرگ ہیں اور ائمہ اہلسنت میں سے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کی وفات ۷۲۸ھ کی ہے جبکہ عمر و علم میں ان سے بھی بڑے دو اہلسنت بزرگ فرما رہے ہیں کہ

انه یتعین تقلید الائمة الاربعة دون غیرهم۔

ائمہ اربعہ کی ہی تقلید متعین (طے شدہ بات) ہے کسی اور کی نہیں۔

(منہاج الاصول مع نہایۃ السول ج ۲ ص ۶۳۲)

اب جناب اثری صاحب بتائیں کہ کیا ائمہ اہلسنت کے اس فرمان سے ثابت ہوا یا نہ کہ حق ان چاروں ائمہ میں منحصر ہے؟ اگر منحصر نہ ہوتا تو امام قاضی بیضاوی اور ابن الصلاح جیسے اکابر اہلسنت یہ بات نہ فرماتے کہ چاروں ائمہ کی تقلید متعین ہے کہ ان کی تقلید کی جائے گی کسی اور کی نہیں۔ اب اثری صاحب ارشاد فرمائیں کہ اس کے علاوہ منحصر ہونا کسے کہتے ہیں؟ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام ابن تیمیہ کو یہ حضرات (دو ایسان گرامی) جو اسقدر بڑھاتے ہیں اس کے وہ ہرگز اہل نہیں ہیں کیونکہ ان کی تحقیقات قابل اعتبار و اعتماد نہیں ہیں لہٰذا امام ابن تیمیہ کے اقوال حجت نہیں ہیں کیونکہ یہ جھوٹ تو واضح ہو گیا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ اہلسنت میں سے کسی نے نہیں کہا کہ حق ائمہ اربعہ کی تقلید میں منحصر و دائر ہے جبکہ اہلسنت کے دو امام قاضی بیضاوی و امام ابن الصلاح ابن تیمیہ سے بھی پہلے فرما چکے ہیں کہ تقلید ائمہ اربعہ کی ہی کرنی چاہیئے کسی اور کی نہیں۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ دوسروں کی تقلید اس لئے باطل یا ناجائز نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور مجتہد ہی نہیں ہوا۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے علاوہ دیگر مجتہدین کے مذاہب اور ان کے پیروکار اب باقی نہیں رہے، کتابوں میں صرف ان کے اقوال تو ملتے ہیں مگر نہ ان کے اصول و ضوابط مذکور ہیں اور نہ ہی ان پر مبنی فروعات

جیساکہ ائمہ اربعہ کے اصول وقواعد بھی ہیں اور ان پر مبنی تفریعات (اخذ کردہ احکام) بھی
الحمدللہ، جناب اثری صاحب کے اس سوال کا مکمل جواب آچکا کہ صحابہ کرام کی تقلید
کیوں نہیں کی جاتی، ائمہ اربعہ کی کیوں کی جاتی ہے اور یہ کہ کیا ائمہ اربعہ کی تقلید
پر اجماع نہیں ہے؟

ہم نے جناب اثری صاحب کے اکابرین کے حوالوں سے بھی جواب دیدیئے ہیں خصوصًا اثری صاحب اور ان کے ہم مسلک حضرات کے امام جناب شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی علیہ ما علیہ کی کتاب صراط مستقیم اور ان کے مولانا سلیمان بن سحمان نجدی کی کتاب تحفۃ الوہابیہ اور امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب عقد الجید کے حوالہ سے اس سے پہلے گذشتہ شمارہ میں جوابات عرض کرچکے ہیں کہ

(۱) مجتہدین نے زمانہ تابعین و تبع تابعین میں اپنے اجتہاد سے جس قدر احکام و مسائل شرعیہ کا استنباط و استخراج کیا زمانہ صحابہ میں اس کا دسواں حصہ کام بھی نہیں ہوا خصوصًا ائمہ اربعہ کے دور میں، لہٰذا ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل اسلام میں مروج ہے بہت عمدہ ہے۔ (صراط مستقیم صہ ۹۸ و صہ ۱۱۳)

(۲) پھر آپ کے ممدوح و محبوب نجدی علماء میں سے جناب علامہ سلیمان بن سحمان نجدی نے آپ کے ممدوح و محبوب ہونے کے باوجود آپ پر اور آپ کے ہم مسلک بھائیوں پر تو انتہائی غضب ڈھادیا کہ تحفۃ الوہابیہ میں یہاں تک ارشاد فرمایا کہ "ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کریں" (تحفۃ الوہابیہ مترجم داؤد غزنوی اہلحدیث صہ ۶۱)

کیوں جناب اثری صاحب آپ کے ہم مسلک فاضل نجدی کا یہ فرمانا کہ "ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کریں" آپ کے خیال شریف جس کی رو سے آپ تقلید امام کو شرک فی الرسالۃ گردانتے ہیں، کی رد سے

علماء وہابیہ نجدیہ شرک فی الرسالۃ کے مرتکب ہوئے یا نہ بلکہ نہ صرف شرک فی الرسالۃ بلکہ اس پر لوگوں کو مجبور کرنا بہت آپ کے نزدیک بڑا جرم ہوا یا نہ ؟ اگر ہوا تو اس کے باوجود آپ کی ان سے دوستی اور یگانگی کیوں ہے ؟ اگر نہیں تو آپ کے نزدیک احناف (امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مقلد) کیونکر مجرم ہیں ؟ ہمارے خیال میں آپ کے فتویٰ کی اصل بنیاد دینی معاملہ نہیں، دولت و سرمایہ ہے۔ چونکہ سعودی عرب کے مقلدین جو حنبلی فقہ کے پیروکار ہیں آپ کے نزدیک اس لئے موحد ہیں کہ آپ کو ان سے "ریال شریف" ملتے ہیں جن کی بدولت ان سے شرک فی الرسالۃ کا گناہ جھڑ جاتا ہے اور پاکستانی مقلدین (احناف) چونکہ آپ کی مالی امداد کرنے سے قاصر ہیں اسی لئے آپ کے نزدیک ان کا شرک فی الرسالۃ کا گناہ ان سے نہیں جھڑتا لہٰذا وہ اپنی اس کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ آپ کے فتویٰ کی زد میں آئے رہتے ہیں۔ اگر میری یہ بات جناب کو بری لگی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔

بحر العلوم کی عبارت کا جواب

جناب اثری صاحب نے بحر العلوم علامہ عبد العلی لکھنوی علیہ الرحمۃ کی فواتح الرحموت کے حوالے سے ایک عبارت درج کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ

> "جو لوگ کہتے ہیں کہ اجتہاد ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا اب کوئی مجتہد پیدا نہیں ہو سکتا یہ ان کی ایک ہوس کی بات ہے۔"

ہم تو اس سے پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ جہاں تک ائمہ اربعہ جیسے مجتہد کے پیدا ہونے کا امکان ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، انکار کرنے والا بلاشبہ ہوس میں مبتلا ہے بلاشبہ آج بھی ائمہ اربعہ جیسا مجتہد پیدا ہو سکتا ہے۔ اور امکان ہے کہ وہ کہیں ہو بھی۔ مگر آج تک دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا اور نہ

آئندہ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ روز بروز علم زوال پذیر ہے۔ لہٰذا علامہ بحر العلوم کا فرمان ہمارے موقف تقلید کے خلاف نہیں جاتا۔ علاوہ ازیں جہاں تک ائمہ اربعہ کی تقلید کے ضروری ہونے کا تعلق ہے تو کاش کہ اس بارے میں محترم اثری صاحب بحر العلوم علامہ عبد العلی علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرما لیتے کہ

الحق انہ انما منع من تقلید غیرھم لانہ لم تبق روایۃ مذھبھم محفوظۃ حتی لو وجد روایۃ صحیحۃ من مجتھد آخر یجوز العمل بھا الا تری ان المتاخرین افتوا بتحلیف الشھود اقامۃ لہ تکرار لہ موقع التزکیۃ علی مذھب ابن ابی لیلی فافھم۔ (فواتح الرحموت مع المستصفی ج ۲ ص ۴۰۷)

حق یہ ہے کہ عوام کو ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے ائمہ مجتہدین کی تقلید سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ دوسرے ائمہ کے فقہی مذہب کی کوئی روایت محفوظ نہیں رہی یہاں تک کہ اگر بالفرض کسی اور مجتہد کی کوئی صحیح روایت پائی جائے تو اس پر عمل جائز ہوگا چنانچہ متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ (بوقت ضرورت) امام ابن ابی لیلی کے مذہب کی بنیاد پر گواہوں کی قسم لینے کو ان کے تزکیہ کے قائم مقام قرار دیا جائیگا۔

استخراج مسائل

بحر العلوم کے اس فرمان سے درج ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ عوام کے لئے ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے مذہب کی تقلید منع ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے ان کے مذہب کی کوئی روایت

بہ حفاظت باقی نہیں رہی جیسے ائمہ اربعہ کے مذاہب ان کے تلامذہ و مقلدین کے ذریعے شہرت و تواتر کے ساتھ منقول چلے آرہے ہیں۔

(۳) تیسرا یہ کہ اگر کسی امام مجتہد کا کوئی قول تحقیق اور صحیح سند کے ساتھ آج بھی مل جائے تو بہ وقت ضرورت اس پہ بھی عمل جائز ہوگا یعنی بحرالعلوم کے جس قول کو جناب اثری صاحب نے ائمہ اربعہ کی تقلید کے خلاف سمجھا ہے خلاف نہیں ہے وہ ضرورت پر محمول ہے ورنہ وہ اس سے پہلی عبارت میں ائمہ اربعہ کی تقلید کے ضروری اور دُوسری کی تقلید کے ممنوع ہونے کا ذکر نہ فرماتے۔ پھر انہوں نے امام ابن ابی لیلی کے مذہب سے متعلق صرف ایک ہی مسئلہ جزئیہ کا ذکر فرما کر اس طرف توجہ دلائی کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کے باوجود بہ وقت ضرورت کسی خاص مسئلہ میں دُوسرے مجتہد کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ بہ وقتِ ضرورت امام ابن ابی لیلی کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے تزکیہ شہود کی جگہ تحلیف شہود پر اکتفار کیا جا سکتا ہے۔

(۵) پانچواں یہ کہ اسلام میں کوئی تنگی نہیں کیونکہ کسی ایک امام کے مقلد ہوتے ہوئے بھی بہ وقت ضرورت (ضرورت کا تعین ایک عالم دین ہی کرے گا) دُوسرے امام مجتہد کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے۔

(۶) چھٹا یہ کہ ایسا کرنے سے مقلد کی تقلید کا عمل مجروح یا متاثر نہیں ہوتا یعنی بہ وقت ضرورت دُوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنیوالا اپنے امام کا بدستور مقلد ہی رہیگا۔

(۷) ساتواں یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کے ضروری ہونے اور دوسروں کی تقلید کے ممنوع ہونے کے حوالے اور ارشادات ائمہ اہلسنت سے ان کی کتابوں میں صدیوں سے منقول ہوتے آرہے ہیں آج تک اہلسنت کے

کسی بھی امام و محقق نے اس سے انکار نہیں کیا بلکہ نہ صرف سب اسکی تائید کرتے چلے آرہے ہیں اس پر عمل پیرا بھی ہوتے آرہے ہیں اسی کا نام اجماع ہے یہ اجماع قولی بھی ہوا اور فعلی بھی، اہلسنت کے نزدیک اجماع کا منکر گمراہ اور فسادی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عقد الجید کے حوالہ سے گذرا لہٰذا ائمہ اربعہ کی تقلید کے منکر خود ہی سوچ لیں کہ ائمہ اہلسنت اور خصوصًا جناب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک وہ کیا ہیں۔

امام قونوی کے مختارات کا جواب

اس کے بعد جناب اثری صاحب لکھتے ہیں کہ

"امام شمس الدین محمد بن یوسف القونوی جو آٹھویں صدی ہجری کے اکابر علماء احناف میں شمار ہوتے ہیں کے بارے میں علامہ ابن العماد نے لکھا ہے کہ ان کے کچھ مختار مسائل تھے جن میں انہوں نے دلیل کی بنیاد پر مذاہب اربعہ سے اختلاف کیا ہے۔"

اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ ایک مقلد جو بعض مسائل میں تحقیق کر کے اجتہاد کی حد تک پہنچ گیا ہو وہ اپنے امام کا مقلد ہوتے ہوئے بھی دلیل کی بنیاد پر کسی خاص مسئلہ میں اپنے امام سے اختلاف کر سکتا ہے اسکی بہت مثالیں ملتی ہیں اسکو اجتہاد متجزی یا (جزوی اجتہاد) کہتے ہیں۔

اجتہاد متجزی ہو سکتا ہے

ہم اپنی کتاب "اجتہاد کی اہمیت و ضرورت" میں بڑی تفصیل سے یہ بحث لکھ چکے ہیں چنانچہ مسلم الثبوت میں ہے کہ

غیر المجتہد المطلق ولو عالما یلزمه التقلید فیما | جو مجتہد مطلق نہیں ہے اگرچہ عالم ہو اسے ان اجتہادی مسائل میں جن میں اسے

لا یقدر علیه من الاجتہادیات علی التجزی ومطلقا علی تقلیده۔

"اجتہاد کی قدرت نہیں مجتہد مطلق کی تقلید لازم ہے اجتہاد کے متجزی ہونے کے قول کی بنا پر اور تمام اجتہادی مسائل میں تقلید لازم ہے اجتہاد کے غیر متجزی ہونے کے قول کی بنا پر۔

(مسلم الثبوت ص ۲۹۰)

یعنی علماء محققین کا باہم اختلاف ہے کہ اجتہاد متجزی (جزوی طور پر) ہو سکتا ہے یا نہ علماء کا ایک مذہب یہ ہے کہ اجتہاد متجزی ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک وہ علماء جو بعض اجتہادی مسائل میں درجۂ تحقیق و اجتہاد کو پہنچ جائیں وہ ان مسائل میں اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتے ہیں ان کے لئے ان مسائل میں اپنے امام مجتہد مطلق کی تقلید لازم نہیں اور جن اجتہادی مسائل میں وہ اجتہاد نہیں کر سکتے ان میں انہیں اپنے امام کی تقلید لازم ہے۔ اور علماء کا دوسرا گروہ اجتہاد کے متجزی ہونے کا قائل نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جب تک کوئی عالم تمام اجتہادی مسائل میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس وقت تک اسے کسی مجتہد مطلق کی تقلید لازم ہے۔ علامہ بحر العلوم فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں کہ

ان الحق ھو الاول — پہلا مذہب ہی حق ہے۔

(فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۰۳)

یعنی اجتہاد جزوی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا محترم اثری صاحب کو معلوم ہو کہ امام قدوری بھی بعض اجتہادی مسائل میں اجتہاد کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں لہٰذا ان میں انہوں نے ائمہ اربعہ سے اختلاف فرمایا اور دوسرے مسائل میں وہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔ اگر مقلد نہ ہوتے تو حنفی نہ کہلاتے تھے چنانچہ شذرات میں لکھا ہے کہ انہوں نے حدیث کی دلیل کی بنیاد پر ائمہ اربعہ سے

بعض مسائل میں اختلاف کیا اور یقیناً وہ اس کے اہل تھے چنانچہ ان کا دعویٰ تھا کہ

انا اعلم من النووی — میں امام نووی سے بڑا عالم ہوں اور وہ

وھوازھد منی۔ — مجھ سے بڑے زاہد ہیں۔

(شذرات الذھب ج ۶ ص ۳۰۵)

لہٰذا اثری صاحب کا ان کے بعض مسائل میں مجتہد ہونے کی حیثیت سے ائمہ اربعہ سے اختلاف کو ائمہ اربعہ کی تقلید کے منافی تصور کرنا صحیح نہیں ہے۔

امام نووی کا امام حسن بصری کے قول پر فتویٰ دینا

رہا اثری صاحب کا فرمان کہ امام نووی نے شرح مہذب میں اس مسئلہ میں جس میں شوافع سے کوئی نص نہ تھی امام حسن بصری کے قول پر فتویٰ دیا (الحاوی للفتاوی للسیوطی ج ۱ ص ۲۹۲) تو یہ ہمارے خلاف نہیں جاتا بلکہ یہ اثری صاحب کے خلاف جاتا ہے۔ کیونکہ انہیں دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینے کو اپنے مذہب میں نص نہ ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے افسوس کہ محترم اثری صاحب اسے نقل کرتے ہوئے اسقدر بھی نہیں سمجھ سکے حالانکہ خود لکھا ہے "جس کی کوئی نص فقہا شافعیہ میں نہیں تھی" (الاعتصام ص ۱۵)

شیخ اکبر کا مجتہدین کی تقلید کو حرام ٹھیرانے کا جواب

اس کے بعد اثری صاحب نے شیخ اکبر محی الدین بن عربی کے درج ذیل دو شعر لکھے ہیں۔

لقد حرم الرحمن تقلید مالک ❊ واحمد والنعمان والکل فاعذروا

لست ممن یقول قال ابن حزم ❊ لا ولا احمد ولا النعمان

(ترجمہ) بے شک رحمن اللہ تعالیٰ نے امام مالک و امام احمد و امام نعمان کی تقلید مجھ پر حرام

فرمائی مجھ کو معذور رکھو، میں ان میں سے نہیں ہوں جو کہتے ہیں ابن حزم نے
کہا اور نہ ان میں سے جو کہتے ہیں امام احمد بن حنبل نے کہا اور نہ ان میں
سے جو کہتے ہیں کہ امام نعمان بن ثابت نے کہا۔

اثری صاحب کی ایک اور مہربانی

جناب اثری صاحب نے ہم پر تنقید فرمانے میں بہت سی مہربانیاں فرمائی ہیں جنہیں بد دیانتیاں اور قارئین کو دھوکا دہی سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہوگا۔
جناب نے شیخ اکبر کے بارے میں امام عماد الدین حنبلی صاحب شذرات کا یہ قول دیدہ دانستہ اور قارئین کو دھوکا دینے کے لئے چھوڑ گئے چنانچہ امام عماد الدین فرماتے ہیں مجتہد مطلق سے۔

وکان مجتهدا مطلقا بلا ریب قال فی رائیته

لقد حرم الرحمن الخ یعنی رحمٰن نے مجھ پر ائمہ اربعہ کی تقلید حرام قرار دی۔

وقال ایضا فی نونیته

لست ممن یقول قال ابن حزم الخ کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو کہتے ہیں کہ ابن حزم نے کہا الخ

اس کے بعد امام عماد الدین فرماتے ہیں کہ

فهذا صریح بالاجتهاد المطلق کیف لا وقد قال عرضت احادیثه صلی الله علیه وسلم جمیعها علیه فکان یقول عن احادیث صحت من جهة الصناعة ما قلتها واذا لم یکن مجتهدا فلیس

پس ان کے یہ اشعار واقوال ان کے مجتہد مطلق ہونے کی صریح گواہی دے رہے ہیں اور وہ مجتہد مطلق کیوں کر نہ ہوں حالانکہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حدیثیں آپ کی خدمت میں تصدیق کے لئے پیش کیں تو حضور کچھ حدیثوں کے بارے میں جو فنی اعتبار

مطلق مجتہد۔

(شذرات الذہب ج ۵ ص [illegible])

سے یہ تصحیح فرماتے تھے یعنی یہ میں نے فرمائیں اور
بعض حدیثوں کے بارے میں جو فنی اعتبار
سے ضعیف تھیں یہ میں نے فرمائی ہیں اور
جیسے شیخ اکبر مجتہد نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں
کوئی بھی مجتہد نہیں ہے۔

ثابت ہوا کہ شیخ اکبر مجتہد مطلق کے درجہ پر فائز تھے اور مجتہد مطلق کسی دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہوتا وہ براہ راست قرآن و سنت سے احکام اخذ کرتا ہے۔ اس لئے امام محی الدین عربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھ پر ائمہ مجتہدین کی تقلید حرام ہے۔

انہوں نے مطلقاً تقلید کو حرام نہیں فرمایا۔ آپ نے ان کے اشعار سے غلطی کھائی ہے یا دیدہ دانستہ ان کا مفہوم غلط بیان کیا اور مطلقاً تقلید کو حرام ٹھہرا رہے ہیں۔

انہوں نے تو اپنے بارے میں فرمایا کہ میں کسی کا مقلد نہیں ہوں یعنی مجتہد مطلق ہوں اور میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست رابطہ ہے۔

جبکہ آپ کے عقیدے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردہ ہیں اور مٹی میں مل چکے ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ آپ کے امام اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا۔ آپ نے شیخ اکبر کا وہ کلام تو شذرات سے نقل کر دیا جس سے اپنا خود ساختہ مطلب نکالا مگر شذرات میں ساتھ ہی شیخ اکبر کا یہ فرمان چھوڑ دیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمام حدیثیں پیش کیں اور ان کے بارے میں تصدیق حاصل کی یہ بات آپ کے خود ساختہ عقیدے کے خلاف جاتی تھی اس لئے آپ اسکو چھوڑ گئے شاید آپ کے ہاں دیانت و امانت اسی کا نام ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

خدا تعالیٰ سے خوف کیجئے تقلید ائمہ کے خلاف اگر آپ کے پاس کوئی معقول

دلیل نہیں ہے تو جھوٹ اور بددیانتی سے تو اپنے خودساختہ مذہب کو سہارا نہ دیجئے دنیا میں تو آپ سادہ لوح حضرات کو مغالطہ میں ڈال لیں گے مگر روز محشر بارگاہ خالق و مالک میں تو آپ دھوکا دہی اور چالاکی کا مظاہرہ نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا آج موقعہ ہے توبہ کیجئے اور راہِ راست پر آئیے اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے۔

(آمین)

تسلیم حق | الحمد للہ جناب اثری صاحب نے یہ بات تو تسلیم کر لی کہ حدیث کا سمجھنا مجتہدین کا کام ہے عام علماء کا کام نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"بلا شبہ حدیثوں کو سمجھنا" مجتہدین" کا کام ہے عامی کا نہیں مگر مجتہدین کی تخصیص ائمہ اربعہ سے کیوں ہے؟ ائمہ اربعہ سے پہلے بھی مجتہد ہوئے خود ان کے دور میں بھی اور ان کے بعد بھی مجتہد ہوئے جیسا کہ ابھی ہم عرض کر آئے ہیں۔"

اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد ان جیسا مجتہد پیدا نہیں ہوا اور ان کی فقہ کے علاوہ کسی اور امام مجتہد کی فقہ اصول و فروع کے ساتھ تواتر میں معروف ہوئی اور نہ ہی اس طرح اس فقاہت و وثوق کے ساتھ کسی دوسرے امام کا فقہی مذہب موجود ہے جس طرح ائمہ اربعہ کا اور نہ ہی روئے زمین پر ان چاروں کے سوا کسی اور امام کے مقلدین دیکھنے میں آتے ہیں جس کی تفصیل مع دلائل ماہ اکتوبر ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں ہم عرض کر چکے ہیں۔

امام محمد کا امام ابو حنیفہ سے اختلاف | اس کے بعد اثری صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت امام ابوحنیفہ سے مسئلہ وقف کے بارے میں خود ان کے تلامذہ نے ان سے اختلاف کیا یہاں تک کہ امام محمد بن حسن شیبانی سے علامہ سرخسی نقل کرتے ہیں کہ " امام محمد نے الکتاب میں امام ابوحنیفہ کے قول کو بڑا بعید جانا ہے اور اسکو بلا دلیل سینہ زوری کا نام دیا ہے" یہاں تک کہہ دیا ہے کہ " اگر تقلید جائز ہوتی تو جو حضرات امام ابوحنیفہ سے پہلے گذرے ہیں مثلاً امام حسن بصری اور امام ابراہیم نخعی وہ زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے "

(ترجمہ از مبسوط ج ۱۲ صٓ۲۸)

اس کے بعد محترم اثری صاحب فرماتے ہیں

" مقام غور ہے کہ امام محمد اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کی تقلید کے جواز کے قائل بھی نہیں مگر آج کے انہی کے نام لیوا تقلید کا وجوب ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں "

(الاعتصام ۱۵ جنوری ۱۹۹۳ء شمارہ صٓ۱)

جناب اثری صاحب نے امام سرخسی کی عبارت کے معنی مذکور سے یہ تاثر دینے کی کوشش فرمائی ہے کہ جب امام صاحب کے اپنے شاگرد امام محمد نے حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا بلکہ ان کو سینہ زوری کرنے والا قرار دیا اور ان کی تقلید کو ناجائز ٹھیرایا تو گویا دوسروں خصوصاً آج کے زمانہ کے اہلحدیث حضرات کو یہ حق کیونکر حاصل نہیں کہ وہ امام ابوحنیفہ سے اختلاف کریں۔ اور ان کو سینہ زوری کا مرتکب اور ناقابل تقلید ٹھیرائیں۔

لیکن جناب اثری صاحب اس حقیقت کو دیدہ و دانستہ نظرانداز فرما گئے ہیں یا بھول گئے ہیں کہ امام محمد یا امام ابویوسف و زفر وغیرہم جو امام صاحب کے شاگردانِ رشید

تھے۔ وہ امام صاحب کے شاگرد ہونے کے باوجود خود بھی مجتہد تھے لیکن مجتہد فی المذہب" اصولوں میں امام صاحب کے تابع تھے اور ان اصولوں سے مسائل کے استنباط واستخراج میں مجتہد تھے اور اسی اجتہاد کی بنیاد پر استاذِ محترم سے اختلاف بھی کر جاتے تھے چونکہ وہ فروعات میں مجتہد تھے اس لئے وہ امام صاحب سے نہ صرف اختلاف کرتے تھے بلکہ بعض اوقات ان میں زبردست بحث و مباحثہ کی صورت پیدا ہو جاتی تھی اور خود امام صاحب ان کو اختلاف کرنے کا حق دیتے بلکہ کشادہ دلی سے اسکی اجازت دیتے تھے۔ دراصل یہ امام صاحب کی طرف سے ان کی تربیت ہی کا ایک حصہ تھا یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی رائے کو قبول فرماکر اپنی رائے چھوڑ دیتے تھے۔ اور بعض اوقات صاحبین بھی مزید سوچ و بچار کے بعد امام صاحب کی سابق رائے کی طرف پلٹ جاتے اس طرح صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) کا مذہب ان کے استاذ محترم امام ابو حنیفہ کا ہی قولِ سابق قرار پاتا ہے چنانچہ امام علامہ محدث محی الدین ابو محمد عبد القادر ابن ابی الوفا محمد بن محمد بن نصر اللہ الحنفی المصری متوفی ۷۷۵ھ کی کتاب "الجواہر المضیئۃ" کے ذیل میں حضرت علامہ علی بن سلطان المکی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

عن ابی یوسف کل قول قلناہ لم نقل بہ من عندنا انما کان قولا قالہ اولا ثم ترکہ فقلنا بہ۔	امام ابو یوسف نے فرمایا ہم نے جو بات کہی وہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ ہی کی بات تھی جو آپ نے پہلے فرمائی تھی پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ تو ہم نے وہی کہہ دی۔
(ذیل الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۵۱۸)	

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ بہ صیغۂ جمع فرمار ہے ہیں" قلنا " ہم سب نے یعنی امام صاحب کے تمام شاگردوں میں سے اگر کہیں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے تو وہ

اختلاف محض ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ درحقیقت اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی بلکہ ہم نے جو بات بھی کہی ہے۔ (اختلاف کی صورت میں) وہ امام صاحب کا ہی پہلا قول ہوتا ہے جو آپ نے پہلے فرما کر اس سے رجوع فرمالیا لیکن ہمیں وہ بات معقول نظر آئی ہم اسی پر قائم رہے۔ لہٰذا ہماری کوئی اپنی بات نہیں ہے۔ وہ دراصل امام صاحب ہی کی بات ہے۔ گویا دونوں قول انہیں کے ہیں۔

علامہ امام ابن عابدین شامی ردالمحتار میں "الحاوی القدسی" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "الحاوی القدسی" کے آخر میں ہے:

"واذا اخذ بقول واحد منهم یعلم قطعًا انه یکون به اخذا بقول ابی حنیفة، فانه روی عن جمیع اصحابه من الکبار کابی یوسف و محمد وزفر والحسن انهم قالوا: ما قلنا فی مسئلة قولا الا وهو روایتنا عن ابی حنیفة و اقسموا علیه ایمانا غلاظا فلم یتحقق اذا فی الفقه جواب ولا مذهب الا له کیف ما کان وما نسب الی غیره الا بطریق المجاز للموافقة۔"

(ردالمحتار ج ۱ ص ۶۹)

اور جب کوئی شخص امام اعظم کے شاگردوں میں سے کسی کا قول لیتا ہے تو وہ قطعًا جانتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے دراصل ابوحنیفہ کا قول لینے والا ہے کیونکہ امام ابو یوسف و محمد و زفر اور حسن بن زیاد ایسے امام ابوحنیفہ کے تمام بڑے شاگردوں سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے جو قول روایت کیا وہ دراصل امام ابوحنیفہ سے ہی ہماری روایت ہے اور اس پر انہوں نے سخت قسمیں کھائیں پس اس کی رُو سے فقہ حنفی میں کوئی بھی جواب اور کوئی بھی مذہب جو موجود ہے وہ کیسا ہی ہو وہ امام ابوحنیفہ کا ہی مذہب ہے اور اس کی نسبت غیر امام (امام ابو یوسف و محمد وغیرہما) کی طرف نسبت مجازی ہے موافقت کی وجہ سے۔

یعنی چونکہ ان کی رائے امام صاحب کی رائے کے موافق ہے اسی لئے وہ رائے دراصل امام کی رائے ہونے کے باوجود ان کے شاگردوں کی طرف مجازی طور پر منسوب ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ امام صاحب کا ہی ایک قول ہے۔

امام صاحب کا مذہب حدیث صحیح ہے

رہا یہ سوال کہ امام صاحب نے جب ایک قول سے رجوع کر لیا تو وہ امام صاحب کا قول کیسے رہا؟ یا وہ ان کا مذہب کیسے قرار پاتا۔ کیونکہ بحر الرائق کی قضاء میں ہے کہ جس قول سے امام صاحب نے رجوع کر لیا وہ ان کا قول نہیں رہا اور یہ کہ مجتہد جس قول سے رجوع کر لے اسے لینا (اس پر عمل کرنا) جائز نہیں۔ لہٰذا ان کے تلامذہ نے جب ان کے کسی ایسے قول کو لے لیا جس سے امام نے رجوع کیا تو وہ ان کے تلامذہ کا ہی مذہب ٹھیرا نہ کہ امام کا، لہٰذا یہ کہنا کہ وہ بھی امام کا ہی مذہب ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب امام صاحب نے اپنے شاگردوں کو اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ ان کے اقوال میں سے کسی بھی قول کو جس کی سند انہیں سنت سے ملے لے لیں اور فرمایا "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کہ جب حدیث صحیح قرار پائے پس وہی میرا مذہب ہے؟

پس امام صاحب کے اس فرمان کے مطابق اگر آپ کے کسی بھی شاگرد کو آپ کے رجوع کردہ قول کے حق میں حدیث صحیح ملتی ہے اور وہ اسی کو اختیار کرتا ہے تو وہ دراصل امام صاحب کے ہی مذہب کو اختیار کرتا ہے لہٰذا اگرچہ وہ بظاہر امام صاحب کی رائے سے مختلف رائے رکھتا ہے مگر اسکی رائے چونکہ حدیث صحیح سے مؤید ہے لہٰذا وہی امام صاحب کا مذہب ہے لہٰذا وہ دراصل امام صاحب کے مذہب پر ہی چل رہا ہے چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

اذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث ويكون ذٰلك مذهبه ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به ولا يخفى ان ذلك لمن كان اهلا للنظر فى النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها فاذا نظر اهل المذهب فى الدليل وعملوا به صح نسبته الى المذهب لكونه صادرا باذن صاحب المذهب اذ لا شك انه لو علم ضعف دليله رجع عنه واتبع الدليل الاقوى۔

"جب (کسی عالم کے نزدیک) کسی مسئلہ میں حدیث صحیح قرار پائے اور وہ حدیث مذہب امام کے خلاف ہو تو اس عالم کو اس حدیث صحیح پر عمل کرنا چاہیئے اور وہی حدیث صحیح امام صاحب کا مذہب ہوگا اس حدیث صحیح پر عمل کرنے سے وہ حنفی ہونے سے نہیں نکلے گا اور مخفی نہ ہو کہ مذہب امام کے خلاف حدیث صحیح پر عمل کرنا اس کے لئے ہے جو نصوص میں نظر کرنے کا اہل ہوا اور جسے حدیثوں کے محکم و منسوخ کی پہچان ہو۔ پس جب اہلِ مذہب (امام کے شاگردوں) نے امام کی رائے کے مقابلہ میں دلیل میں غور کیا اور اس پر عمل کیا تو اسکی نسبت امام صاحب کے مذہب کی طرف صحیح ہے کیونکہ وہ (عمل بالحدیث) امام صاحب کی اجازت سے صادر ہوا کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اگر امام صاحب اپنی دلیل کی کمزوری جان لیتے تو اپنی رائے سے رجوع کرتے اور زیادہ قوی دلیل (حدیث صحیح) پر عمل کرتے۔"

(رد المختار ۱ ص۶۷ ر ص۶۸)

استخراجِ مسائل

علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی عبارت سے درجِ ذیل مسائل معلوم ہوئے۔

(۱) ایک یہ کہ اگر ایسے عالم دین کو جسے کتاب و سنت پر عبور رہے اور وہ ناسخ و منسوخ کو

پہچانتا ہے، کو اجازت ہے کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے کسی قول کی قوی دلیل نہ ملے بلکہ وہ قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اسے امام صاحب کے اس قول کے مقابل حدیث صحیح پر عمل کرنا چاہیئے۔

(۲) دوسرا یہ کہ حدیث صحیح پر عمل کرنے سے وہ حنفی ہونے (حنفیت) سے خارج نہ ہوگا خواہ وہ حدیث صحیح امام صاحب کے قول کے خلاف ہو۔

(۳) تیسرا یہ کہ امام صاحب علیہ الرحمۃ کا مذہب حدیث صحیح ہے۔ اس لئے حنفی حضرات دراصل اہلحدیث (حدیث صحیح پر عمل کرنیوالے) ہیں۔

چوتھا یہ کہ یہ جو مخالفین کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کے مقابلہ میں اپنے قیاس کو ترجیح دیتے ہیں ان پر صریح بہتان اور کھلا افتراء ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تو حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حد تک ادب فرماتے ہیں کہ اپنے معتقدین کو ہمیشہ کے لئے نصیحت فرما گئے ہیں کہ میرا مذہب حدیث صحیح ہے لہذا جب تمہیں کوئی حدیث صحیح پہنچے تو اسی کو میرا مذہب یقین کرنا اور اس کے خلاف کوئی قول یا رائے میری طرف منسوب ہو اور اس کی تائید کتاب و سنت صحیحہ سے نہ ہوتی ہو تو وہ میرا مذہب نہ ہوگا اسے ترک کر دینا اور اس کے مقابلہ میں حدیث صحیح پر عمل کرنا۔

(۵) پانچواں یہ کہ امام صاحب کی طرف منسوب قول کے مقابلہ میں حدیث صحیح پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کے علم میں قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ہو کہ امام صاحب کے اس قول کی تائید میں قرآن و سنت سے کوئی دلیل نہیں اور یہ کہ یہ فلاں حدیث صحیح کے خلاف ہے اس کے بعد اسے یہ یقین کرنا چاہیئے کہ امام صاحب کا مذہب بھی وہی حدیث صحیح ہے جیسا کہ آپ نے خود واضح فرما دیا بلکہ ائمہ اربعہ کا یہی فرمان ہے کہ اگر ان کے کسی قول کے مقابلہ

میں حدیث صحیح ہو تو ان کے پیروکار حدیث صحیح پر عمل کریں اور ان کے قول کو چھوڑ دیں۔ (ردالمختار ج ۱ ص ۶۸)

امام محمد کا امام ابوحنیفہ کی تقلید سے انکار

محترم اثری صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ

"مقام غور ہے کہ امام محمد اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کی تقلید کے جواز کے قائل بھی نہیں مگر آج انہی کے نام لیوا تقلید کا وجوب ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔" (الاعتصام ۱۰ جنوری ص ۱۰)

اس سے محترم اثری صاحب مبسوط میں مذکور امام محمد کے قول کی بنیاد پر مطلق تقلید کا انکار ثابت کر رہے ہیں حالانکہ اس میں امام صاحب کی مطلق تقلید کا انکار نہیں ہے۔ ہم امام محمد کا قول بعینہٖ نقل کر کے اس کا ترجمہ عرض کرتے ہیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو کہ امام محمد کی جس عبارت سے تقلید کا انکار سمجھا جاتا ہے اس کے برعکس اسی سے تقلید ہی کا ثبوت مل رہا ہے۔

اثری صاحب کی ایک اور دیانتداری اور عجیبات

یہ ہے کہ جناب اثری صاحب نے امام محمد کی عبارت کا وہ حصہ ترک کر دیا جس سے ان کے خلاف تقلید کا ثبوت ملتا تھا یہ جناب اثری صاحب کی ایک اور دیانتداری قرار پاتی ہے۔ کہ جس عبارت سے ان کو بظاہر فائدہ پہنچتا نظر آتا ہے وہ تو نقل فرمادی اور جس عبارت سے ان کے مسلک پر ضرب پڑتی تھی اسے چھوڑ دیا۔ ملاحظہ ہو۔

"فقال ما اخذ الناس بقول ابی حنیفۃ واصحابہ الا" امام محمد نے کہا کہ لوگوں نے ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے قول کو اس لئے

بتركهم التحكم على الناس فاذا كانوا هم الذين يتحكمون على الناس بغير اثر ولا قياس لم يقلدوا هذه الاشياء ولو جاز التقليد كان من مضى من قبل ابي حنيفة مثل الحسن البصري وابراهيم النخعي رحمهما الله احرى ان يقلدوا"

(المبسوط ج ۱۲ ص۲۸)

نے لیا کہ ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں نے لوگوں پر محض اپنی رائے سے فیصلہ تھوپنے کو ترک کر دیا، پس جب وہی (ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد) کسی حدیث وقیاس کے بغیر ان پر محض اپنی رائے مسلط کریں تو ان باتوں میں لوگ ان کی تقلید نہیں کریں گے اور اگر (سنت وقیاس کے بغیر) کسی کی تقلید جائز ہوتی تو امام حسن بصری و امام ابراہیم نخعی رحمہا اللہ ایسے فقہا، جو ابو حنیفہ سے پہلے گزرے تقلید کئے جانے کے زیادہ لائق تھے

توجہ طلب باتیں یہاں کچھ توجہ طلب باتیں ہیں۔ قارئین غور فرمائیں کہ امام محمد علیہ الرحمۃ جو باتیں فرما رہے ہیں ان میں سے

(۱) ایک تو یہ بات ہے کہ لوگ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کی تقلید کرتے ہیں۔

(۲) دوسری یہ کہ لوگوں کو امام صاحب اور آپ کے شاگردوں پر اعتماد ہے کہ امام صاحب اور ان کے شاگرد محض اپنی رائے سے کوئی بات نہیں تھوپتے بلکہ حدیث یا حدیث نہ ہونے کی صورت میں قیاس شرعی کی بنا پر حکم شرعی بتاتے ہیں اسی لئے لوگ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ امام محمد علیہ الرحمۃ کی طرف سے تقلید کا ثبوت مل رہا ہے لیکن افسوس کہ جناب اثری صاحب نے حسب عادت شارحیہ امام محمد علیہ الرحمۃ کی مندرجہ بالا عبارت چھوڑ گئے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ امام محمد علیہ الرحمۃ فرما رہے ہیں کہ "اگر امام صاحب اور ان کے

شاگرد کبھی حدیث اور قیاس شرعی کے بغیر محض اپنی رائے سے لوگوں کو مسائل بتائیں گے تو لوگ ان مسائل میں ان کی تقلید نہیں کریں گے" قارئین غور فرمائیں کہ امام محمد علیہ الرحمۃ اس میں صرف امام اعظم کے بارے میں نہیں بلکہ امام صاحب کے ساتھ ان کے شاگردوں، جنہیں وہ خود بھی شامل ہیں کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔

امام محمد کی ندامت

جناب اثری صاحب نے حسب عادت شریفہ ایک اور دیانتداری کا بھی مظاہرہ فرمایا کہ مبسوط کی ایک اور عبارت جو اس تمام بحث کی جان ہے، کو چھوڑ دیا، اپنے مطلب کی عبارت لے لی اور اپنے مطلب کے خلاف عبارت کو ترک فرما دیا۔

امام شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ۔

وَلم یحمد علی ما قال وقیل بسبب ذلک انقطع خاطرہ فلم یتمکن من تفریغ مسائل الوقف الخ	کہ امام محمد نے وقف کے مسئلہ میں جو اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے موقف کو تحکم قرار دیا، ان کی اس عبارت پر (علماء کی طرف سے) ان کی تحسین و تعریف نہ کی گئی اور کہا گیا ہے کہ اسی بات کے کہنے سے امام محمد پریشان
(المبسوط ج ۱۲ ص۲۸)	

ہوئے کہ اس پریشانی کی وجہ سے وہ وقف کے مسائل کی بحث بھی مکمل نہ کر سکے؟

واضح ہوا کہ امام محمد نے جو بات کہی تھی جسے اثری صاحب نے لیکر اس سے امام محمد کی طرف سے امام ابوحنیفہ کی تقلید کا انکار ثابت کرنے کی ناکام کاوش فرمائی اسے اب امام محمد کی طرف منسوب کرنا غلط بات ہے کیونکہ اس پہ امام محمد کی تحسین نہ کی گئی اور خود امام محمد کا دل بھی ٹوٹ گیا۔ اور اسقدر نادم و پشیمان ہو گئے کہ آگے وقف کے احکام و مسائل بھی پوری طرح ان سے نہ لکھے گئے جنہیں بعد میں ان کے شاگردوں نے مکمل کیا۔

محترم اثری صاحب لکھتے ہیں،

اعتراف " مفتی صاحب نے اپنے سادہ لوح مستفتی کو تسلی دینے کے لئے چھیالیس حدیثیں پیش کی ہیں یہ حضرات محدثین رحمہم اللہ کی اصطلاح کے مطابق تو درست لیکن کیا یہ شمار وقطار حضرات فقہاء کرام کے ہاں بھی پایا جاتا ہے؟ اور وہ فقہی مسائل میں استدلال و استنباط کے لئے اسی قسم کے شمار کو گنتی کے اعتبار سے اتنی ہی دلیلیں قرار دیا کرتے ہیں؟ (کَلَّا ثُمَّ کَلَّا) "

(ہفت روزہ الاعتصام ماہ رجب ص ۱۳)

الحمد للہ، محترم اثری صاحب نے یہ تو تسلیم کر لیا ہے کہ محدثین کے محاورہ کے مطابق رفع یدین نہ کرنے کے بارے میں چھیالیس حدیثیں موجود ہیں لیکن ان کے بقول فقہاء کے نزدیک ان حدیثوں کی تعداد اس قدر نہیں۔ ہم جناب اثری صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جناب تو اپنے آپ کو اہلحدیث (محدثین) کے زمرہ میں شمار فرماتے ہیں اس لئے آپ پر تو چھیالیس حدیثیں حجتیں قائم ہو گئیں۔ اور چونکہ آپ فقہاء کے مسلک کو حجت ہی نہیں مانتے بلکہ ان پر تنقیدیں فرماتے، انہیں خطاوار ٹھہراتے اور عوام کو ان کے پیچھے چلنے سے منع فرماتے ہیں اس لئے آپ کا اہلحدیث ہونے کی وجہ سے ان حدیثوں کو چھیالیس مان لینا ہی ہمارے لئے کافی ہے خواہ فقہاء کرام طرق اسناد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان حدیثوں کی تعداد کم قرار دیں اس سے ہمارے موقف کو نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ یہ بات تو جناب والا تسلیم فرمائیں گے کہ فقہاء کے نزدیک تو کسی مسئلہ کے ثبوت کے لئے ایک حدیث صحیح بھی کافی ہوتی ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں چار یا پانچ مرفوع حدیثیں خود جناب والا بھی تسلیم فرما رہے ہیں۔ لہٰذا جناب والا کا یہ اعتراض بھی درست قرار نہیں پاتا۔

آثار صحابہ و تابعین بھی احادیث ہی ہیں

اس کے بعد اثری صاحب فرماتے ہیں کہ
" مفتی صاحب نے مرفوع کل چار یا پانچ حدیثیں پیش کیں باقی سب آثار ہیں کچھ حضرات صحابہ کرام کے اور کچھ تابعین حضرات کے لغوی اعتبار سے آثار کو حدیث سے تعبیر تو کیا جاتا ہے مگر عرف شرع میں حدیث اسی کو کہتے ہیں جس کا انتساب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کہتے ہیں :
" المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یضاف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم " غور فرمایئے نمبر بڑھانے کے لئے جناب مفتی صاحب نے کتنی چالیں چلیں " (صد ۲۳)

اثری صاحب کا مغالطہ

جناب اثری صاحب نے تدریب الراوی سے جو امام ابن حجر عسقلانی کا حوالہ پیش کیا ہے اسمیں بھی محترم کو مغالطہ لگا ہے یا محترم نے دیدہ دانستہ قارئین کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش فرمائی ہے کیونکہ محترم نے آگے کی عبارت نقل نہیں فرمائی۔ دیانت کا تقاضا تھا کہ محترم تدریب الراوی کی پوری عبارت نقل فرماتے لیکن اپنے مطلب کے لئے نامکمل عبارت دے کر اس کا ترجمہ کر ڈالا۔ آئیے ہم قارئین کی خدمت میں تدریب الراوی کی پوری عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین پر محترم اثری صاحب کا مغالطہ کھل جائے۔ ملاحظہ ہو حافظ الملۃ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ م سنہ ۹۱۱ھ تدریب الراوی میں لکھتے ہیں کہ

واما الحدیث فاصلہ ضد القدیم وقد استعمل فی قلیل الخبر وکثیرہ لانہ	حدیث دراصل قدیم کی ضد ہے اور اس کا استعمال تھوڑی یا زیادہ خبر میں کیا گیا ہے کیونکہ وہ تھوڑی تھوڑی کر کے ظاہر ہوتی ہے

يحدث شيئا فشيئا وقال شيخ الاسلام ابن حجر فى شرح البخاري المراد بالحديث فى عرف الشرع ما يضاف الى النبى صلى الله عليه وسلم وكانه اريد به مقابلة القرآن لانه قديم وقال الطيبي الحديث اعم من ان يكون قول النبى صلى الله عليه وسلم والصحابي والتابعي وفعلهم وتقريرهم (تدريب الراوي ج ا ص۴۲)

اور شیخ الاسلام ابن حجر نے بخاری کی شرح میں فرمایا کہ شریعت کے عرف میں حدیث سے مراد وہ قول ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو گویا شیخ الاسلام کی مراد یہ ہے کہ شریعت میں حدیث اسے کہیں گے جو قرآن کے مقابلہ میں ہو کیونکہ قرآن قدیم ہے اور امام طیبی نے فرمایا کہ حدیث عام ہے خواہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل و تقریر ہو یا صحابی کا یا تابعی کا۔

* * *

واضحات امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت سے یہ باتیں واضح ہوتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ حدیث لغوی معنوں میں قدیم کی ضد ہے۔

(۲) دوم یہ کہ اس کا استعمال خبر میں بھی ہوتا ہے خواہ خبر تھوڑی ہو یا زیادہ کیونکہ خبر تھوڑی تھوڑی کر کے ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) سوم یہ کہ عرف شریعت میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب قول یا فعل یا تقریر کو کہتے ہیں۔

(۴) چہارم یہ کہ امام صاحب نے لفظ "منسوب" بول کر حدیث کو عام کر دیا کہ خواہ اس کی

نسبت براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو یا بواسطہ صحابی ہو یا بہ واسطہ تابعی۔

(۵) پانچواں یہ کہ انہوں نے اسی عموم کو ملحوظ رکھتے ہوئے یوں نہیں فرمایا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کو کہتے ہیں۔ اگر وہ اس طرح فرماتے تو پھر محترم اثری صاحب کی بات بنتی لیکن شیخ الاسلام نے لفظ "منسوب" استعمال فرمایا اور ظاہر ہے کہ صحابی و تابعی احکام میں جو کچھ فرمائیں گے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات ہوگی۔ لہٰذا لفظ "منسوب" میں جو نکتہ ہے محترم اثری صاحب نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

(۶) چھٹا یہ کہ شیخ الاسلام کا "مَا یضاف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" فرمانا اس مقصد کے لئے نہیں کہ آپ اس سے قول صحابی و قول تابعی کو حدیث کی تعریف سے نکالنا چاہتے تھے بلکہ اس سے جو ان کی غرض تھی وہ یہ تھی کہ وہ حدیث کی تعریف سے کلام الٰہی سے احتراز کرنا چاہتے تھے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے یہ الفاظ ہماری بات کی تائید کر رہے ہیں "وکانہ ارید بہ مقابلۃ القرآن لانہ قدیم" کہ حدیث کی تعریف میں "جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جائے" کا لفظ استعمال کرنے سے ان کی غرض قرآن سے احتراز ہے نہ کہ قول صحابی و قول تابعی سے۔ لیکن افسوس کہ جناب اثری صاحب نے شیخ الاسلام کی جو غرض امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمائی اسے نظر انداز فرما کر غلط فہمی میں خود بھی پڑے اور قارئین کو بھی غلطی میں ڈالنے کی کوشش فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس کی تائید میں امام طیبی علیہ الرحمۃ کا قول نقل فرمایا کہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابی و تابعی کے قول و فعل و تقریر کو کہتے ہیں۔

اثری صاحب کا دوسرا مغالطہ اثری صاحب کا دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ انہوں نے اس سے آگے کی عبارت جو امام سیوطی نے شیخ الاسلام امام ابن حجر کی شرح نخبہ کے حوالہ سے لکھی ہے نہیں لکھی ملاحظہ ہو۔

وقال الشیخ الاسلام فی شرح النخبۃ الخبر عند علماء الفن مرادف للحدیث فیطلقان علی المرفوع وعلی الموقوف و علی المقطوع۔

شیخ الاسلام نے شرح نخبہ میں فرمایا کہ خبر حدیث کے ماہرین علماء (محدثین) کے نزدیک حدیث کے ہم معنیٰ ہے لہٰذا خبر اور حدیث کا اطلاق حدیث رسول اللہ مرفوع و موقوف و مقطوع (تینوں) پر ہوگا۔

(تدریب الراوی ج ا ص۴۲)

لیجئے، اثری صاحب کی بات کی تردید خود امام ابن حجر کے فرمان سے ہو گئی کہ خبر اور حدیث ہم معنی ہیں اور خبر و حدیث، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھی کہیں گے صحابی کے فرمان کو بھی اور تابعی کے فرمان (تینوں کے قول و فعل و تقریر کو حدیث کہیں گے)

اثری صاحب ایسے فاضل اہل علم سے اس قسم کے مغالطوں کا وقوع ان کی شان سے بعید بات ہے اور دیانت کے بھی خلاف۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہم نے جو عدم رفع یدین میں چھیالیس حدیثیں پیش کی ہیں وہ محدثین کے نزدیک بھی چھیالیس ہی شمار ہوں خواہ وہ مرفوع ہوں یا موقوف ہوں یا مقطوع۔

نیز علماء اہلحدیث کے فاضل جناب علامہ امام امیر محمد بن اسمٰعیل صنعانی م ۱۱۸۲ھ اپنی کتاب " قصب السکر فی نظم نخبۃ الفکر " میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی شرح نخبۃ الفکر " کی عبارت " الخبر عند علماء ہذا الفن " کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

وفی اصطلاحھم ھو ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقریر او ما اضیف الی الصحابی او التابعی الخ (ص ۸)

حدیث محدثین کی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابی یا تابعی کی طرف منسوب قول یا فعل یا تقریر کو کہتے ہیں۔

الحمد للہ، علماء حدیث بھی تسلیم فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر، اسی طرح صحابی یا تابعی کے قول یا فعل یا تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ لہٰذا محترم اثری صاحب کا صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال و تقریر کو حدیث قرار نہ دینا غلط ٹھہرا۔

نیز شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الحدیث فی اصطلاح جمہور المحدثین یطلق علی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفعلہ وتقریرہ (الی ان قال) وکذلک یطلق علی قول الصحابی وفعلہ وتقریرہ

معلوم ہوا کہ حدیث، جمہور محدثین کی اصطلاح میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابی اور تابعی کے قول و فعل و تقریر پر بولی جاتی ہے

وعلی قول التابعی وفعلہ و

تقریرہ الخ

(مقدمۃ المشکوٰۃ ص۳)

الحمد للہ ہمارا موقف ثابت ہوگیا کہ قول صحابی و تابعی اور ان کا فعل و تقریر بھی حدیث ہی ہے لہٰذا ہمارا یہ دعویٰ برقرار رہا کہ رفع یدین کے خلاف چھیالیس حدیثیں موجود ہیں اور محترم اثری صاحب کا خیال غلط ٹھہرا۔ اس کے بعد اثری صاحب کا یہ فرمانا بھی اتہام محض اور غلط الزام قرار پاتا ہے کہ "غور فرمائیے نمبر بڑھانے کے لئے جناب مفتی صاحب نے کتنی چالیں چلی ہیں" (الاعتصام ص۳ ۲۳ رجب ۱۴۱۴ھ ۲۱)

اب راقم کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ قارئین غور فرمائیں کہ اثری صاحب نے اپنے غلط مسلک کی تقویت کے لئے راقم کے رسالہ "مسئلہ رفع یدین" پر تنقید کرتے ہوئے کس قدر خود بھی مغالطوں میں پڑے اور قارئین کو بھی مغالطوں میں مبتلا کرنے کی ناکام کوشش فرمائی۔

امام ابوحنیفہ و امام اوزاعی کا مباحثہ محترم اثری صاحب نے مسئلہ رفع یدین کے سلسلہ میں کئے گئے اعتراضات میں سے امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے مباحثہ پر بھی تنقید و اعتراض کیا ہے اور جامع المسانید کے حوالہ سے اس واقعہ کے مرکزی راوی ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب جو الاستاذ کے عرف سے معروف ہیں، ان پر تنقید فرمائی اسی طرح بعض دوسرے راویوں پر بھی غلط کہتے ہیں کہ ان مسانید، جو مسانید ابی حنیفہ کہلاتی ہیں، کے بعض پہلو بحث طلب ہیں خواہ وہ مسانید خوارزمی ہوں یا مسند امام حصکفی ہو۔ ایک تو یہ کہ یہ مسانید حضرت امام ابوحنیفہ

کی اپنی جمع کردہ نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے زمانہ میں جمع ہوئیں بلکہ ان کے وصال و انتقال کے کافی عرصہ گزرنے کے بعد ان کو جمع کیا گیا۔ دُوسرا یہ کہ اسکے بعض راوی ضعیف اور بعض مجہول بھی ہیں اور تیسرا یہ کہ اسکی کئی حدیثوں کی سندوں کے درمیان بعض راوی ساقط ہیں اور بعض احادیث مرسل بھی ہیں۔ لیکن اس صورتحال یا ان توجہ طلب پہلوؤں کا تعلق خوارزمی یا حصکفی یا حارثی کی سندوں کے راویوں سے متعلق ہے۔ ان اسانید کو جن حضرات نے جمع کیا ان کا مسانید کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص سیدنا ابوبکر صدیق یا سیدنا عمر فاروق یا سیدنا عثمان غنی یا سیدنا علی مرتضیٰ کی ان حدیثوں کو جو مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہیں، مسند سے الگ کر کے ترتیب دیکر اور جمع کر کے کہے کہ یہ میری کتاب ہے جو میں نے حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان غنی یا حضرت علی کی حدیثوں کو جمع کیا اور ترتیب دیا ہے اور میرا سلسلہ سند اساتذہ امام احمد بن حنبل تک یُوں ہے پھر میں وہاں سے اپنے سارے اساتذہ و مشائخ کی فہرست بتا دوں اور معترض امام احمد بن حنبل کے اور میرے درمیان کے اساتذہ پر جرح شروع کر دے تو اسکی جرح اپنی جگہ درست مگر اس کا اثر اصل حدیثوں پر قطعاً نہیں پڑے گا جو مثلاً امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی یا کسی ثقہ تابعی تک پہنچ جاتی ہیں یا جن کے شواہد اور مؤیدات دُوسری حدیثیں بھی موجود ہوں۔

علامہ محدث فقیہ لغوی امام سید محمد مرتضی زبیدی م ۱۲۰۵ھ صاحب تاج العروس شرح القاموس اپنی کتاب عقود الجواہر المنیفہ میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "ان القصۃ مشھورۃ" (ج ا ص ۱۰۲) کہ یہ مشہور

قصہ ہے اور مسئلہ عدم رفع یدین میں مروی سند تو کمزور نہیں، کہ امام صاحب حماد سے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے روایت کرتے ہیں کہ

"ان عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یعود لشیئ من ذلک و یؤثر ذلک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔"
(عقود الجواہر ج ۱ ص۱۰۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور وہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے تھے۔

مؤیدات و شواہد

پھر اسکی مؤیدات و شواہد بہت سی حدیثیں ہیں، ان حدیثوں کو امام ترمذی نے وکیع، انہوں نے سفیان ثوری انہوں نے عاصم بن کلیب انہوں نے عبد الرحمٰن بن اسود انہوں نے علقمہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے اس پر فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ پھر اسی کو امام نسائی نے اپنی سند سے، امام مسلم نے "الھدی" میں حضرت علی سے، امام دارقطنی اور امام ابن عدی نے بھی روایت کیا۔ ان تمام حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی آخری عمل ہے کہ آپ نے تکبیر اولیٰ کے سوا رفع یدین ترک فرما دیا تھا۔ لہذا یہ یاد رکھنے کی

بات ہے کہ یہ قصہ مناظرہ اگر بالفرض ہمارے کرم فرما اثری صاحب تسلیم نہ بھی فرمائیں تو اس سے متعلقہ مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ زیر بحث مسئلہ اس قصہ پر موقوف نہیں ہے اس پر تو اثری صاحب نے ہماری چھیالیس حدیثوں کو تسلیم فرما ہی لیا ہے۔

سوال کا جواب اثری صاحب نے راقم سے سوال کیا ہے کہ مناظرہ مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمیں اختلاف راجح و مرجوح کی حد تک ہے ناسخ و منسوخ کا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ امام صاحب سے کوئی ایسی روایت نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے اور اٹھتے رفع یدین منسوخ ہے لہٰذا اسے ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ سمجھنا امام صاحب کے موقف سے آگے بڑھنا ہے اگر امام صاحب نے اسے منسوخ قرار دیا ہو تو اس کا ثبوت دیں۔

(ملخصاً، الاعتصام ۲۲، جنوری ۱۹۹۳ء صـ۱۶)

جواباً عرض ہے کہ امام صاحب بہرصورت زیر بحث رفع یدین کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت نہیں تھی چنانچہ امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے درمیان جب گفتگو ہوئی جسے ایک مشہور واقعہ کے طور پر محدثین و فقہاء نے تسلیم اور اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے، تو امام اوزاعی نے ان سے سوال کیا کہ تم رکوع کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا:

لاجل انه لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه شيء۔

اس لیے کہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔

گویا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اسے صحیح طریقہ سے ثابت ہی نہیں مانتے اور یہ بات ظاہر ہے جن روایات میں رفع یدین کا ذکر ہے اور ان کی سندیں بھی صحیح ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان کی تاویل ہی کی جائیگی اور تاویل رہی ہے جو ہم اپنے

آغاز مضمون میں لکھ چکے ہیں کہ یہ عمل منسوخ قرار پایا۔ اس سلسلے میں امام طحاوی کا حوالہ پیش کیا تھا جو مذہب امام اعظم کے عظیم الشان ترجمان اور مجتہد ذی شان ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

فهذا ابن عمر قد رأى النبي	پس یہ ابن عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) بلا شبہ
صلى الله عليه وسلم يرفع	انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
ثم قد ترك هو الرفع بعد	کو رکوع کے وقت رفع یدین کرتے
النبي صلى الله عليه وسلم	دیکھا پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
فلا يكون ذلك الا وقد	کے بعد رفع یدین چھوڑ دیا تو یہ نہیں
ثبت عنده نسخ ما رأى	ہوسکتا مگر اس طرح کہ ان کے نزدیک
النبي صلى الله عليه وسلم فعله	اس چیز کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا جسے
وقامت الحجة عليه.	نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اور اس
(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۰)	نسخ سے ان پر حجت قائم ہو چکی۔

محترمی اثری صاحب کے لئے اسقدر ہی کافی ہوگا کہ امام اعظم کے مذہب کے ترجمان امام طحاوی اسکی منسوخیت ثابت کر رہے ہیں اور کسی کے مذہب کے ترجمان کی رائے معتبر ہی ہوگی جب کہ اسکے خلاف کوئی دوسری رائے منقول نہ ہو اس کے بعد آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک راجح و مرجوح اولیٰ اور غیر اولیٰ کی حد تک ہی اس مسئلہ کی نوعیت ہے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہی ہے۔ بلکہ امام طحاوی کی مذکورہ عبارت نے ہمارے موقف کے حق ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرما دی کہ امام صاحب کے نزدیک زیر بحث رفع یدین کا عمل منسوخ ہے۔

رفع یدین کی منسوخی کی قرآن سے دلیل گذشتہ صفحات میں ہم نے اگرچہ امام صاحب کے موقف کی وضاحت امام طحاوی کے حوالہ سے پیش کی تھی کہ رفع یدین عمل منسوخ ہے اور یہ صرف راجح و مرجوح کی بات نہیں ہے۔

ہمارے بعض محققین تو تکبیر اولیٰ (تکبیر افتتاح) کے سوا انتقالات رکوع میں جانے، رکوع سے سر اٹھانے اور سجدہ میں جانے اور سجدہ سے سر اٹھانے اور تیسری رکعت کے شروع میں ان تمام مواقع میں رفع یدین کی منسوخی کو قرآن کی متعدد آیات سے ثابت کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ الخ • کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔

(سُورۃ النساء آیۃ ۷۷)

اس آیت میں چونکہ ہاتھوں کو روکنے کے حکم کو اقامتِ صلوٰۃ (نماز کو قائم رکھنے) کے حکم کے ساتھ ساتھ واؤ عاطفہ کے ذریعے جمع کر کے بیان کیا گیا ہے۔

اس سے اشارہ سمجھا جاتا ہے کہ ہاتھوں کو روکو اور نماز کو صحیح خشوع وخضوع اور سکون کے ساتھ ادا کرو۔ یعنی نماز میں بار بار ہاتھ نہ اٹھاؤ کیونکہ یہ اقامت نماز میں خشوع وخضوع اور سکون کے منافی ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ بن سید مظہر حسین حیدر آبادی زجاجۃ المصابیح میں لکھتے ہیں کہ

قال صاحب الکنز المدفون صاحب الکنز المدفون والفلک المشحون

والفلك المشحون فیه الاستدلال علی ترك رفع الیدین فی الا نتقالات۔ (زجاجۃ المصابیح ج ۱ صٓ ۲۲۵)

نے کہا کہ اس آیت سے انتقالات میں یعنی رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع یدین کے ترک پر دلیل پکڑی گئی ہے

یاد رہے کہ یہ صاحب "الکنز المدفون والفلک المشحون" (کنز المدفون والفلک المشحون ایک کتاب ہے) امام جلال الدین سیوطی شافعی المذہب ہیں یہ شافعی ہوتے اور رفع یدین کے قائل ہونے کے باوجود حنفیہ کی ایک بات نقل فرما گئے ہیں کہ اس آیت کو رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع یدین کی ترک کی دلیل قرار دیا گیا ہے یعنی احناف کے نزدیک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کے ذریعے رکوع کے وقت رفع یدین کا عمل ممنوع و منسوخ قرار دیا گیا۔

۲۔ دوسری آیت:

حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وقوموا للہ قانتین۔ (البقرۃ آیت ۲۳۸)

نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً درمیان والی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

اور نماز میں بار بار رفع یدین کرنا ادب کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ عمل منسوخ ٹھہرا۔

(۳) تیسری آیت کریمہ:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔

بے شک کامیاب ہو گئے ایمان والے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔

اور خشوع کے معنی نماز کے ظاہری آداب بجالانا اور سکون واطمینان اور دلجمی

سے نماز ادا کرنے کے ہیں اور بار بار رفع یدین کرنا اس مطلوبہ ادب و سکون و اطمینان اور دلجمعی کے خلاف ہے لہٰذا اس آیت سے بھی رفع یدین کے عمل کا منسوخ ہونا ثابت ہوا۔

حدیث قرآن کی تفسیر

اور حدیث قرآن کی تفسیر ہے لہٰذا صحیح مسلم میں جو حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو فرمایا کہ "کیا بات ہے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ہاتھ اوپر اٹھاتے ہو گویا کہ وہ بے چین گھوڑے کے دم ہیں نماز میں سکون اختیار کرو"

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)

یہ حدیث جس میں نماز کے اندر رفع یدین کرنے سے منع فرمایا اور سکون اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ان آیات کی تفسیر ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے حضور ادب سے کھڑا ہونے اور نماز میں خشوع اختیار کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ رہا حدیثوں سے رفع یدین کرنے کی منسوخیت و ممانعت کا بیان اور دلائل تو اس سلسلے میں ایک دلیل تو ہم امام طحاوی کے حوالہ سے عرض کر چکے کہ اگر رفع یدین منسوخ نہ ہوتا تو حضرت عبد اللہ بن عمر جو پہلے رفع یدین کرتے تھے وہ رفع یدین ترک نہ کرتے جبکہ انہوں نے بعد میں رفع یدین ترک کر دیا تھا اس سے بھی رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہوا۔

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن حین یفتتح الصلوٰۃ	سات مقامات کے سوا ہاتھ کہیں نہ اٹھائے جائیں جب نماز شروع کی جائی

وحین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت وحین یقوم علی الصفا وحین یقوم علی المروۃ وحین یقف مع الناس عشیۃ عرفۃ وبجمع والمقامین حین یرمی الجمرۃ۔

ہے اور جب مسجد حرام میں داخل ہوں اور بیت اللہ کو دیکھیں اور جب صفا پر کھڑے ہوں اور جب مروہ پر کھڑے ہوں اور جب لوگوں کے ہمراہ عرفہ کی شام کو وقوف کریں اور مزدلفہ میں اور دو مقامات پر جب شیطان کو کنکر ماریں۔ (یعنی جمرۂ اولیٰ اور وسطیٰ میں)

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۸۵)

اس حدیث شریف میں صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھانے کے سوا نماز میں کہیں اور ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے اور یہی منسوخیت ہے۔

یہی امام طبرانی اپنی اسی معجم میں اپنی دوسری سند سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

ورفع الایدی اذا رأیت البیت وعلی الصفا والمروۃ وبعرفۃ وبجمع وعند رمی الجمار واذا اقیمت الصلوٰۃ۔

ہاتھ اٹھائے جائیں جب تم بیت اللہ کو دیکھو اور صفا پر اور مروہ پر اور عرفہ میں اور مزدلفہ میں اور شیطان کو کنکریاں مارنے کے وقت اور جب نماز کھڑی ہو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۴۵۲)

اس حدیث میں بھی نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھانے کا فرمایا گیا ہے۔ رکوع میں جاتے اور اٹھتے بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہوتا تو آپ نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھانے کے ساتھ رکوع کے وقت رفع یدین کا بھی ذکر فرماتے لیکن آپ نے

نماز کے شروع کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ذکر فرما کر اور رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ارشاد فرما کر واضح فرما دیا کہ نماز میں ایک بار ہی ہاتھ اٹھایا جائیگا پھر نہیں۔ معلوم ہوا کہ رکوع کا رفع یدین متروک ومنسوخ کر دیا گیا تھا۔

امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی م ۸۰۷ھ مجمع الزوائد میں ان حدیثوں کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں راوی امام محمد بن ابی لیلیٰ کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا تاہم " حدیثه حسن انشاء الله تعالیٰ " (مجمع الزوائد ج ۲ صفحہ ۲۳۸) اسکی حدیث حسن (اچھی) ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ حدیثیں حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، دونوں سے مروی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲ صفحہ ۱۰۳)

اور اسی حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے رسالہ " قرۃ العینین برفع الیدین فی الصلوٰۃ " میں دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے ایک سند وکیع وہ ابن ابی لیلیٰ سے پھر ابن ابی لیلیٰ ایک تو نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور دوسرے عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دونوں صحابی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا ترفع الایدی الا فی سبعة مواطن فی افتتاح الصلوٰة واستقبال القبلة وعلی الصفا والمروة وبعرفات وبجمع وفی المقامین وعند الجمرتین (صفحہ ۵۹)	ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات مقامات میں۔ ایک نماز کے شروع میں دوسرے استقبال قبلہ کے وقت تیسرے صفا پر چوتھے مروہ پر، پانچویں عرفات میں چھٹے مزدلفہ میں اور ساتویں شیطان کو کنکر مارنے کے دو مقاموں پر۔

اسکے حاشیہ میں علامہ احمد الشریف محقق لکھتے ہیں کہ

الاثر فی المسند الاول صحیح وفی المسند الثانی حسن۔	کہ یہ حدیث پہلی سند میں صحیح ہے اور دوسری سند میں حسن ہے۔

(التحقیق علی قرۃ العینین ص۵۹)

(طبع بیروت)

الحمدللہ حدیث صحیح وحدیث حسن سے ثابت ہوگیا اور امام بخاری کے حوالہ سے کہ نماز کے شروع میں رفع یدین ہے اسکے بعد رفع یدین نہیں ہے بلکہ صیغہ نفی ہے یعنی نماز کے شروع میں رفع یدین کے سوا دوسری جگہ کہیں بھی نماز میں رفع یدین کی نفی ہوگئی۔ اور یہی دلیلِ نسخ ہے کہ ابتداء میں رفع یدین ہوتا تھا مگر بعد میں اس سے منع کردیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوالزبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع میں جاتے اور اٹھتے رفع یدین کرتا ہے تو آپ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ

"فان ھذا شئ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکہ۔"

بلاشبہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔

(البنایہ للعینی ج۲ ص۳۰)

یہی حضرت ابوالزبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح پہلے رفع یدین کرتے تھے بعد میں جب اس کے منسوخ ومترک ہونے کا علم ہوا تو چھوڑ دیا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے تھے۔

لہٰذا رفع یدین کے عمل کا منسوخ ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث سے ثابت ہے جن میں سے ایک وہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی ہے جسے ہم اپنے رسالہ "رفع یدین نمبر" ماہِ جنوری ۱۹۹۲ء میں صحیح مسلم شریف کے حوالہ سے عرض کرچکے ہیں اور یہ "لا ترفع الایدی"

والی حدیثیں بھی اور ان کے علاوہ صحابہ کا عمل بھی۔ اس کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اہل علم اسے راجح و مرجوح کی حد تک ہی مختلف فیہ مسئلہ قرار دے بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ ہے۔ یعنی پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے رفع یدین فرماتے تھے بعد میں آپ نے اسے ترک فرما دیا اور صحابہ کرام کو بھی اس سے منع فرما دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ جن حضرات کے علم میں اس کا ترک ثابت نہ ہوا وہ اس عمل پر گامزن رہے اور اس کے ترک کی مخالفت فرماتے رہے جیسے بعض صحابہ و بعض ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دوسروں کو بھی اس کے ترک کی تلقین فرماتے رہے۔

مسند زید: محترم اثری صاحب نے مسند زید بن علی بن حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالہ پر بھی اعتراض فرمایا ہے کہ اس مسند کا جامع عمرو بن خالد باتفاق محدثین کذاب ہے لہٰذا اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(الاعتصام ۲۸ رجب ۱۴۱۳ھ صفحہ ۱۸-۱۹)

جواباً عرض ہے کہ ہم نے اس کی جو روایت درج کی ہے اس کی یہ روایت ہماری پیش کردہ باقی ۴۵ احادیث کے مطابق ہے اس لئے اس کے کذاب ہونے کے باوجود یہ روایت صحیح ہے بہ مطابق قاعدہ "الکذوب قد یصدق" کہ جھوٹا کبھی سچ بھی بولتا ہے۔ اور اس روایت کے سچ ہونے کا ثبوت اسی قدر کافی ہے کہ یہ ان باقی ۴۵ احادیث کے مطابق ہے جو ہم نے رفع یدین کے سلسلے میں پیش کی ہیں۔

جبکہ اس کی اکثر احادیث صحاح ستہ کی احادیث کے مطابق ہیں تو کیا ان کو بھی کذب قرار دیا جائے گا۔ ہرگز نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ وہ تمام احادیث

جو مسند زید میں ہیں اور صحاح ستہ میں بھی ہیں کذب قرار پائیں۔ فاللازم باطل فالملزوم مثلہ۔

تاویل الروایتین محترم اثری صاحب نے مسند زید سے دو حدیثیں نقل فرمائیں اور انہیں قابل اعتراض قرار دیا جن میں سے ایک میں ہے کہ

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

"تم میرے بھائی اور میرے وزیر ہو اور میرے بعد سب سے بہتر ہو تمہاری محبت ہی مومنوں کی شناخت ہو گی۔"

راقم کے نزدیک اگر اس روایت کو صحیح قرار دیا جائے تو اسمیں تاویل ہو سکتی ہے۔ ایک تو حضرت علی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وزیر ہونا ہے اور ان کے وزیر ہونے سے ان کی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں یعنی جو سربراہ مملکت کے ساتھ اس کے حکم سے اسکی ذمہ داریوں کے نبھانے میں معاون ہو وہ اس کا وزیر ہے تو خلفاء راشدین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ذمہ داریوں کے نبھانے میں معاونت کرتے تھے اس لئے وہ آپ کے وزیر بھی تھے یہ الگ بات ہے کہ خلفاء ثلاثہ میں حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر سب سے اونچے درجہ کے وزیر تھے کہ ان کے پایہ کا کوئی صحابی نہ تھا پھر حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ لہذا ان کو اس معنی میں وزیر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم گرداننے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ فرمانا کہ "تم میرے بعد سب سے بہتر ہو" عام مخصوص عنہ البعض ہے جس سے حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہم دیگر نصوص اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ مستثنیٰ ہوں گے۔ اس قسم کی تاویلیں ہم قرآن کریم اور صحاح ستہ وغیرہ کی بشمار

حدیثوں میں کرتے ہیں تو یہاں کیوں نہیں کر سکتے؟ پھر ان کی محبت کا مومنوں کی پہچان ہونا بھی صحیح ہے اور صحاح ستہ میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "لا یحبك الا مؤمن ولا یبغضك الا منافق" کہ تم سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی تم سے بغض رکھے گا۔

اسی طرح دوسری روایت میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو اور خصوصاً حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمانا کہ وہ "صدیق اکبر" ہیں اس سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان "صدیق اکبر" ہونے پر حرف نہیں آتا کیونکہ اس کی تاویل ہو سکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں "صدیق اکبر" ہوں گے۔ اور خود ابن ماجہ شریف کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا "انا الصدیق الاکبر" (ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ ص۱۲) کہ اب اس دور کا صدیق اکبر میں ہوں۔ یعنی صدیق اکبر علی الاطلاق تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور باقی حضرات اپنے اپنے زمانہ کے صدیق اکبر تھے۔ حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت علی و حضرت حسن و حضرت حسین و دیگر حضرات جن کی ان کے زمانہ میں مثال نہیں ملتی تھی اپنے اپنے زمانہ کے صدیق اکبر تھے۔ اور ہر دور میں اولیاء کرام میں سے چوٹی کے اولیاء اپنے زمانہ ولایت کے اعتبار سے صدیق اکبر ہوتے ہیں جیسے صوفیاء کرام کے نزدیک سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ غوثیت کبریٰ پر فائز ہونے کی بنا پر اولیاء میں صدیق اکبر ہیں یہ الگ بات ہے کہ صوفیاء کرام کے اس خیال سے محترم اثری صاحب اتفاق نہ کریں۔ لیکن نفس صدیقیت تو ہر دور میں رہے گی کہ نبوت تو ختم ہو چکی ہے مگر ولایت تا قیامت جاری رہے گی اور ولایت امت کا آغاز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولایت سے ہوتا ہے کیونکہ ہر صحابی ولی ہے جبکہ ہر ولی

صحابی نہیں تو صد یقین تا قیامت آتے رہیں گے اور ان میں جو چوٹی کے درجہ پر ہو گا وہ اپنے زمانہ کا صدیق اکبر ہوگا اور جناب اثری صاحب اس حقیقت سے بے خبر نہ ہوں گے کہ "اکبریت" ایک وصفِ اضافی ہے کہ ایک اکبر سے دوسرا بڑھ کر اکبر ہو سکتا ہے جیسے "اَعْلَم" کا صیغہ علماء کے لئے استعمال ہوتا چلا آرہا ہے اور کہتے ہیں "فلان کان اعلم اهل زمانه بکتاب الله و سنة رسوله" صلی اللہ علیہ وسلم۔

کہ فلاں عالم اپنے زمانہ کے اعتبار سے کتاب و سُنت کا سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ چنانچہ امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (سیدنا ابوبکر صدیق کے پوتے) رضی اللہ عنہ وعن ابیہ وعن جدہ کے حق میں امام ابو الزناد فرماتے ہیں:

"ما رأیت احداً اعلم بالسنه منه" کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو سُنتِ نبویہ کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ ان کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں "کان افضل اهل زمانه" کہ وہ اپنے زمانے میں سب سے افضل تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۴) معلوم ہوا کہ اسم تفضیل کے صیغے بعض اوقات افضلیت مطلقہ کے لئے ہوتے ہیں اور بعض اوقات افضلیت اضافیہ کیلئے ہوتے ہیں۔ دونوں کی مثال احادیث میں وارد جملہ " الله ورسوله اعلم" ہے اسمیں اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اعلم کا صیغہ آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اعلمیت مطلقہ ہے سب سے بڑے علم والا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلمیت اضافیہ ہے یعنی خلق کی بہ نسبت۔ یعنی خلق میں سب سے بڑے علم والے۔

اسی طرح "صدیق اکبر" کا لقب بھی ایک وصف اضافی ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق کو بھی جو صدیق اکبر کہا جاتا ہے یہ بھی اضافۃً کہا جاتا ہے یعنی امتوں میں آپ

ہی سب سے بڑے صدیق ہیں یا امتوں میں علی الاطلاق آپ ہی صدیق اکبر ہیں نہ کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت ۔ کیونکہ انبیاء کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر صدیق اکبر ہیں اور انبیار علیہم السلام میں صدیق اکبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی خلق میں علی الاطلاق صدیق اکبر سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور امتوں میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور امتوں سے انسان مراد ہیں ورنہ ملائکہ بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور ملائکہ میں سے رُسل ملائکہ صحابہ کرام سے افضل ہیں لہٰذا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رُسل ملائکہ سے افضل نہیں اور نہ ہی ان کے مقابلہ میں صدیق اکبر۔ آپ کی صدیقیت کبریٰ بشر امت کے مقابلہ میں ہے یعنی آج تک جو انسان پیغمبروں پر ایمان لاتے ان میں سب سے بڑے صدیق، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اسی طرح امام اعظم بھی ایک وصفِ اضافی ہے حضرت امام ابوحنیفہ امام اعظم کہلاتے ہیں اپنے زمانہ کے امام اعظم اور یہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق ہے کہ فقہ میں لوگ ابوحنیفہ کے محتاج ہیں ورنہ خلقِ خدا میں علی الاطلاق امام اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور کوئی نہیں۔

غرضیکہ مسند زید رضی اللہ عنہ میں مذکورہ حدیثیں جن پر جناب اثری صاحب نے تنقید فرمائی اور انہیں غلط قرار دیا اور مردود ٹھہرایا، قابلِ تاویل ہیں اور اہلِ علم کی شان یہ نہیں کہ جو بات بظاہر خلافِ حق اس پر غور و فکر کئے بغیر اسے فوراً ردّ کر دے بلکہ اہلِ علم کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اگر اسکی کوئی تاویل صحیح ممکن ہو تو اسکو رد کرنے کی بجائے اسکی تاویل صحیح کی جائے اور اگر وہ محتمل تاویل نہ ہو تو اسے ردّ کر دے۔ لیکن یہ عبارات ہماری رائے میں قابل تاویل ہیں۔

لہٰذا ہم جناب اثری صاحب کے خیال سے اتفاق نہیں کرتے ہم نے ان کو رد کرنے کی بجائے ان کی تاویل کر دی ہے۔ اور بلاشبہ ہماری یہ تاویلیں صحیح اور معقول ہیں۔ جن کی روشنی میں اثری صاحب کے اعتراضات بے بنیاد ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جناب اثری صاحب، راقم کی اس حدیث پر جو راقم نے اپنے ماہنامہ "البر" کے کے اندر حدیث نمبر ۱۶ بحوالہ مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص۳۶ نقل کی تنقید فرماتے ہیں کہ یہ حدیث محمد بن جابر کی وجہ سے ضعیف ہے اور یہ کہ محمد بن جابر نے کہا تھا کہ امام ابو حنیفہ نے مجھ سے امام حماد کی کتابیں چوری کر لیں تھیں بحوالہ الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ ص۲۲۵،

پھر اثری صاحب لکھتے ہیں کہ

" مفتی صاحب بالخصوص بتلائیں کہ اگر محمد بن جابر قابلِ اعتبار ہے تو اس نے جو الزام امام ابو حنیفہ پر چوری کا لگایا ہے وہ بھی معتبر اور درست ہے؟ اگر نہیں تو اس کی بیان کردہ یہ روایت ہی کیوں معتبر ہے؟ "

(الاعتصام ص۱۲ ۵ شعبان ۱۴۱۳ھ)

جناب اثری صاحب کے اس اعتراض کے کئی ایک جوابات ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ جناب اثری صاحب کا یہ اعتراض اس وقت لائقِ توجہ ہوتا جب عدم رفع یدین کی حدیثوں کا انحصار صرف محمد بن جابر کی حدیث پر ہوتا جبکہ محمد بن جابر کی حدیث جو اپنے رسالہ میں ہم نے روایت کی ہے اس کا نمبر ۱۶ ہے اور اس سے پہلے جو حدیثیں گذری ہیں۔ انہیں جناب اثری صاحب نے کیوں نظر انداز فرما دیا۔

دوسرا یہ کہ اس کے باوجود یہ حدیث چونکہ سابقہ حدیثوں کی مؤید ہے لہٰذا اس کا

ضعف ہمیں مضر نہیں ہے۔

تیسرا یہ کہ محمد بن جعفر کا ضعف بھی کوئی پُرخطر نہیں ہے کیونکہ ان کے ضعف کی وجہ اسقدر ہے کہ وہ آخر عمر میں بھول جاتے تھے اور یاد دلانے پر یاد کر لیتے تھے اس کے باوجود ان کی جلالت وعظمت کا یہ عالَم تھا کہ امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

مع ما تکلم فیہ من تکلم یکتب حدیثہ۔ (تہذیب ج ۹ ص ۸۹)

کہ جو حضرات ان پر اعتراض کرتے تھے وہ ان کی مروی حدیث جمع کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔

امام ابوالولید فرماتے ہیں کہ

نحن نظلم محمد بن جابر بامتناعنا من الحدیث عنہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۸۹)

ہمارا محمد بن جابر کی حدیثوں کو نہ لکھنا اس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

امام ذہلی کہتے ہیں "لا باس بہ" کہ امام محمد بن جابر کی حدیث قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (تہذیب ج ۹ ص ۹۰)

امام شمس الدین ذہبی علیہ الرحمۃ میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں:

وفی الجملۃ قد روی عن محمد بن جابر ائمۃ وحفاظ۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹۷)

اور خلاصہ یہ کہ محمد بن جابر سے بڑے بڑے ائمہ وحفاظ نے حدیثیں روایت کیں۔

"امام شمس الدین ذہبی علیہ الرحمۃ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر امام محمد بن جابر ایسے ہی ہوتے جیسا کہ ان کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے تو ان سے ائمہ حدیث وحفاظِ حدیث روایت نہ کرتے لہٰذا ان سے ائمہ وحفاظ کا روایت کرنا ان کے صدوق وثقہ ہونے کی واضح دلیل ہے اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کی مروی حدیث

صحیح السند حدیثوں کے عین مطابق ہو جبکہ ہم اس سے قبل جو حدیث نقل کر چکے ہیں ان میں صحیح السند حدیثیں بھی ہیں۔ اس کے باوجود جناب اثری صاحب کا اعتراض اہلِ علم کے لئے ناقابلِ فہم ہے۔

امام صاحب پر چوری کا الزام

رہا جناب اثری صاحب کا فرمانا کہ امام محمد بن جابر فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے امام حماد کی کتابیں چرائیں۔ مگر جناب اثری صاحب نے اس اسناد کی جانچ پڑتال نہیں فرمائی کہ

جریر بن عبد الحمید مجروح راوی ہے

کتاب الجرح والتعدیل میں میں امام محمد بن جابر کی جو یہ بات نقل کی گئی ہے کہ جس میں امام صاحب پر چوری کا الزام لگایا گیا ہے یہ الزام جھوٹا اور انتہائی غلط ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے حاسدوں

نے آپ کو بدنام کرنے کے لئے ایسی روایت گھڑی ہیں چنانچہ اس واقعہ کی سند میں بھی ایک راوی جریر بن عبد الحمید الضبی تھے۔ یہ اگرچہ ثقہ و معتبر تھے مگر ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں

لم یکن بالذکی فی الحدیث اختلط علیہ - (تہذیب التہذیب ج ۲ ص۷۵)

کہ یہ حدیث میں ذہانت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان پر خلط ملط واقع ہوتا تھا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

"نسب فی آخر عمرہ الی سوء الحفظ" آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا۔

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں:

"کان جریرا صاحب لیل" کہ یہ جریر حاطب لیل تھے جیسے رات کو

(تہذیب ج ۲ صہ ۵۰) لکڑیاں چننے والا سوکھی اور گیلی کی تمیز نہیں کرسکتا۔

اسی طرح جریر حدیثوں میں تمیز نہ کرسکتے تھے۔

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں

"قتیبۃ ثنا جریر الحافظ المقدم لکنی سمعتہ یشتم معاویۃ علانیۃ" کہ جریر علانیہ طور پر حضرت امیر معاویہ کو گالیاں دیتے تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ صہ ۷۶)

ان حالات میں ان کا صحیح العقیدہ اور صحیح العمل ہونا مشکوک ہو جاتا ہے لہٰذا چوری والی سند مجروح ہو کر ناقابل قبول ٹھہری اور امام صاحب کا دامن کرم ایسی باتوں سے پاک ثابت ہوا۔

فہرست



شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری کی دیگر تصانیف

